امام جعفر صادقؑ کا طویل ترین خط
حدیثِ ہلیلہ
اثباتِ وجودِ خدا
کے حیران کن دلائل
تحریرِ مکرر، سائنسی تشریحات:
محمد علی سید
ترجمہ: مولانا ہارون زنگی پوری

حدیث ھلیلہ

دوسری صدی ھجری میں لکھا گیا

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک طویل ترین خط

(اثبات وجودِ خدا۔ سائنسی دلائل کے ساتھ)

توحید پرستوں کے لیے علم کا لازوال خزانہ

پہلی بار سائنسی تشریحات کے ساتھ

موضوع: **اثبات وجودِ خدا**

ترجمہ حدیث:

مولانا سیّد محمد ھارون زنگی پوری صاحب قبلہ

سائنسی تشریحات:

محمد علی سیّد

کتاب: حدیث ہلیلہ۔سائنسی تشریحات کے ساتھ
ترجمہ حدیث: مولانا سیّد محمد ہارون زنگی پوری (مرحوم)
سائنسی تشریحات: محمد علی سیّد
سن اشاعت: حدیث 2017ء
تعداد اشاعت: ایک ہزار
سرورق: فضہ علی سیّد
پبلشر: قرآن اینڈ سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان۔
(زہراؑ اکیڈمی پاکستان کا ذیلی ادارہ)
تزئین و آرائش: مرزا محمد علی
پرنٹر:
قیمت:

یہ کتاب درج ذیل بک اسٹورز پر دستیاب ہے
(۱) ویلکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی۔
(۲) محفوظ بک ایجنسی، مارٹن روڈ، کراچی۔
(۳) زیدی کتب خانہ، سیّدہ گوٹھ، خیرپور میرٹس۔
(۴) افتخار بک ڈپو، لاہور۔
(۵) محمد علی بک ڈپو، کراچی/ اسلام آباد۔
(۶) مکتبہ رضا، لاہور۔
بہ ذریعہ کوریئر منگوانے کیلئے رابطہ فرمائیں: 0345-2443358

ذاکرین اور مقررین حضرات سے گزارش ہے کہ اس کتاب سے اپنی تقاریر میں بھرپور استفادہ فرمائیں لیکن کتاب کا پورا نام بھی حاضرین کے لیے بیان فرمائیں ''حدیثِ ہلیلہ۔ سائنسی تشریحات کے ساتھ''۔

(ادارہ)

اس حدیث کے راوی

جناب مفضل ابن عمرؓ جُعفی

خدمات و منزلت

یہ حدیث مبارک جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبان مبارک سے صادر ہوئی، توحید کے موضوع پر ایک طولانی روایت ہے۔ اس کے راوی مفضل ابن عمرؓ جعفی کوفی ہیں۔

جناب مفضل ابن عمرؓ، امام جعفر صادق علیہ السلام کے نہایت ممتاز شاگرد ہیں۔ جناب مفضل ابن عمرؓ کا تعلق جعفی قبیلے سے تھا اور آپ کوفے کے رہنے والے تھے۔ اسی لیے آپ مفضل ابن عمرؓ جعفی کوفی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے نامور دانش مند اور بہت ہی بافضیلت و باکمال شخصیت تھے۔ آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مکتب علمی سے درس معرفت حاصل کیا۔ بعض روایات کے مطابق انھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی علمی محفل سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ جناب مفضلؓ، امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے معتبر اور قابل بھروسا اصحاب میں شامل تھے۔ دونوں اماموںؑ کے نزدیک انھیں خاص الخاص مقام حاصل تھا۔ (حوالہ: قاموس الرجال: جلد ۹ صفحہ ۹۳۔۱۰۱)

مفضل ابن عمرؓ کی منزلت کو سمجھنے کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ آپ امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اموال وصول کرنے اور خرچ کرنے میں دونوں اماموںؑ کے وکیل تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "مفضل! جب تم دیکھو کہ ہمارے دو شیعوں کے درمیان مال پر اختلاف ہوا ہے تو ہمارے مال سے رقم ادا کر کے یہ جھگڑا ختم کرا سکتے ہو۔" (حوالہ: مفضل۔ امینِ امامؑ)

مفضل ابن عمرؒ پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے 80 سال کی عمر پائی اور سن دو ہجری میں انتقال فرمایا۔ آپ کی جو تالیفات ہم تک پہنچی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔توحید مفضل ۲۔کتاب الوصیہ ۳۔کتاب الیوم واللیلۃ ۴۔عِلَلُ الشرائع ۵۔کتاب اہلیلج (یعنی ہڑ)۔ یہ کتاب ''حدیث ہلیلہ'' کے نام سے معروف ہے۔اور اس وقت سائنسی تشریحات کے ساتھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

جناب شیخ طوسیؒ نے اپنی ''رجال'' اور شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب ''ارشاد'' میں جناب مفضل ابن عمرؒ کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے عظیم اور مورد اطمینان اصحاب میں شمار کیا ہے۔

ہشام ابن احمد سے روایت ہے۔ ''میں ایک دن امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ذہن میں خیال تھا کہ میں حضرتؑ سے مفضل ابن عمرؒ کے بارے میں سوال کروں گا لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کی قسم مفضل ابن عمر جعفی ایک عظیم اور نیک انسان ہے۔'' امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس جملے کو تیس سے زیادہ مرتبہ دہرایا اور پھر کہا۔ ''اس کے گھر والے بھی ایسے ہی ہیں''۔

(حوالہ: البحار الانوار۔جلد ۵۰ صفحہ ۳۴۰)

عبداللہ بن فضل ہاشمی روایت کرتے ہیں۔ ''میں ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ مفضل ابن عمرؒ وہاں داخل ہوئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر جیسے ہی ان پر پڑی تو آپؑ نے فرمایا: ''مفضل! خدا کی قسم میں تمہیں دوست رکھتا ہوں اور تمہارے دوستوں کو بھی دوست رکھتا ہوں۔'' اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: ''اگر میرے تمام اصحاب وہ معرفت رکھتے جو تم رکھتے ہو تو کبھی بھی دو افراد میں اختلاف نہ ہوتا۔''

مفضل ابن عمرؒ نے عاجزی سے عرض کیا: ''فرزند رسولؐ! میرا خیال ہے آپؑ نے میرا مرتبہ زیادہ بلند کر دیا ہے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''ایسا نہیں ہے۔ میں نے تو تمہیں وہی مقام دیا ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرار دیا ہے۔'' (حوالہ: البحار الانوار۔جلد ۵۰ صفحہ ۳۹۵)

یہ تھا جناب مفضل ابن عمرؓ کی شخصیت کا ایک سرسری سا جائزہ ۔ جو حضرات جناب مفضلؓ کی شخصیت ، خدمات اور ان کے مقام و منزلت کے بارے میں تفصیل جاننا چاہیں وہ درج ذیل ویب سائٹس سے استفادہ کر سکتے ہیں ۔

www.andishaqom.org-2 www.raban.ir-1

عجیب بات یہ ہے کہ علمِ رجال کے ماہرین کے ایک گروہ نے جناب مفضل ابن عمرؓ کی درخشاں شخصیت کو بہ وجوہ دھندلانے کی کوشش کی ۔ جناب مفضلؓ کی شخصیت کو متنازعہ بنانے کے پیچھے وہی سوچ کارفرما رہی کہ راوی کو مشکوک بنا دیا جائے تو اس سے مروی علوم آل محمدؐ کے بارے میں شک و شبہ پیدا کرنا مشکل نہیں ہو گا ۔لیکن اس کوشش میں خاک اڑانے والوں کے اپنے چہرے خاک آلود ہو گئے اور مفضل ابن عمرؓ کی شخصیت علومِ آل محمدؐ کے نور سے مزید جگمگا اٹھی ۔

ہمارے اس دعوے کی دلیل امام جعفر صادق علیہ السلام کا مفضل ابن عمر کے نام یہ طویل خط ہے جو آپؑ نے مفضل کے نام تحریر فرمایا اور جسے آپ آئندہ صفحات پر ملاحظہ کریں گے ۔

اب آپ سوال کر سکتے ہیں کہ جناب مفضل ابن عمرؓ کی شخصیت سے یہ محاربانہ رویہ کیوں روا رکھا گیا؟ اس کا سبب شاید یہ رہا ہو کہ مفضل ابن عمرؓ جو فرائض کی بجا آوری اور ظاہری عبادات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ آثار کائنات میں غور و فکر بھی کرتے تھے ۔

وہی غور و فکر جس کی دعوت قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے ۔ ''جو لوگ اٹھتے بیٹھتے ، کروٹ لیتے (غرض ہر حال میں) اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی بناوٹ پر غور و فکر کرتے ہیں اور (بے ساختہ) کہتے ہیں کہ اے اللہ (بے شک) تو نے یہ سب کچھ بے سبب پیدا نہیں کیا ۔تو پاک و پاکیزہ ہے ۔'' (سورہ آل عمران ، آیت :۱۹۱)

احادیث کی کتابیں اس غور و فکر کی دعوت سے بھری ہوئی ہیں ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :'' ایک ساعت کا غور و فکر ، ستّر سال کی عبادت سے افضل ہے ۔''

ایک اور مقام پر آپؐ نے ارشاد فرمایا :'' جب ایک عابد جنت کے دروازے پر پہنچے گا تو فرشتے اسے خوش آمدید کہیں گے اور اسے جنت میں لے جایا جائے گا ۔لیکن جب ایک عالم

جنت کے دروازے پر پہنچے گا تو اسے روک لیا جائے گا۔ وہ سوال کرے گا کہ مجھے کیوں روکا گیا ؟ تو فرشتے کہیں گے۔ ’’آپ کو اس لیے روکا گیا ہے کہ آپ جتنے آدمیوں کی چاہیں شفاعت کریں اور انھیں اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں۔‘‘ (حوالہ: نہج الفصاحت۔تالیف: ابوالقاسم پاینده)

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ’’نہ تو انھوں نے ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے انوارِ حکمت سے ضیاء حاصل کی اور نہ روشن علوم کے چقماق کو رگڑ کر نورانی شعلے پیدا کیے۔ یہ تو بس اس معاملے میں چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر‘‘ (حوالہ: نہج البلاغہ)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ’’عبادت یہ نہیں ہے کہ کھڑے ہو کر (طویل) نماز پڑھی جائے یا (لمبے لمبے) سجدے کیے جائیں بلکہ عبادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقات پر فکر و تدبّر کیا جائے‘‘۔ (حوالہ: اصول کافی)

جناب مفضل ابن عمرؒ اسی غور و فکر کے عادی تھے۔ اسی لیے ان کے ذہن میں کب، کیوں، کیسے جیسے سوال پیدا ہوتے تھے۔ انھی سوالوں کے جواب حاصل کرنے کے لیے وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اپنے علم و عمل اور دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ خاص طور پر شاید انھی سوالوں کے سبب وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو زیادہ عزیز تھے اور شاید اسی لیے اس زمانے کے بعض ظاہر بین افراد کے باطن میں مفضل ابن عمرؒ جیسے نوجوان کے لیے وہ کیفیت پیدا ہوئی جسے حَسد سے قریب تر کہا جا سکتا ہے۔ شاید یہی سبب رہا ہو کہ مفضل ابن عمرؒ جیسے خدا پرست کے ساتھ ان کا رویہ بیشتر معاندانہ ہی رہا۔

ایسا کل بھی ہو رہا تھا، آج بھی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ لیکن مفضل ابن عمرؒ کل بھی علم حاصل کرنے اور اسے پھیلانے میں مصروف تھے، آج بھی کہیں نہ کہیں مصروف عمل ہیں اور آنے والے زمانوں میں بھی مصروف عمل رہیں گے۔

محمد علی سیّد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

آج سے غالباً 36 سال پہلے ایک دوست نے ''توحید الائمہ'' نامی کتاب مجھے لا کر دی تو اس وقت میں اسے پوری طرح سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ اس وقت میری عمر 22 یا 23 سال رہی ہو گی۔

ایک دوپہر مجھے اس کتاب کو پڑھنے کا موقع مل گیا اور سمجھنے کے قابل نہ ہونے کے باوجود میں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ توحید الائمہ نامی اس کتاب میں حدیث ھلیلہ نامی یہ حدیث (جو اس وقت آپ پڑھنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں) سب سے پہلے میرے سامنے آئی اور میں اسے پڑھنے میں محو ہو گیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس جلیل القدر حدیث کو پڑھتے پڑھتے، مجھے احساس ہوا کہ میں بلند و بالا پہاڑوں سے گرتے ہوئے ایک عظیم الشان آبشار کے قریب کھڑا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ جہاں آبشار گرتے ہیں وہاں کی فضا کسی اور طرح کی ہوتی ہے۔ اس آبشار کی گونج میلوں تک پھیلی ہوتی ہے اس گونج میں آبشار کے گرنے کے سوا کوئی اور دوسری آواز بہ مشکل ہی سنائی دیتی ہے۔ آبشار کے چاروں طرف موجود پہاڑ، پیڑ، پودے، پھل، پھول، سب اس آبشار کے پانی کی وجہ سے ہر وقت پانی کی نمی میں نہاتے اور چمکتے دمکتے رہتے ہیں۔

آبشار کا پانی سخت چٹانوں اور پتھروں کو روندتا ہوا جھاگ اُڑاتے دریاؤں اور ندی

نالوں کی شکل اختیار کرتا ہے، اسی پانی سے باغوں میں پھول کھلتے اور شاخوں پر پھل لگتے ہیں، کھیتوں، کھلیانوں میں فصلیں لہلاتی ہیں۔ پہاڑوں پر پیڑ پودوں اور ہریالی کی چادر بچھتی ہے اور اس سے زمین اور اس کے ماحول میں رہنے والے انسانوں، چوپایوں، پیڑ پودوں اور پرندوں کے لیے رزق کی وہ قسم پیدا ہوتی ہے جو ان کے وجود کو برقرار رکھتی ہے۔

گونجتا، گرجتا، جھاگ اُڑاتا یہ پانی جب پہاڑ کے دامن میں بکھرے نوکیلے پتھروں پر گرتا ہے تو ان میں سے جو پتھر نرم ہوتے ہیں، ان کے نوکیلے پن کو ختم کر کے انہیں چمک دار، گول، بیضوی پتھروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ سخت پتھر اس کے راستے میں آتے ہیں تو آبشار کے پانی کا طاقت ور ریلا انہیں روندتا چلا جاتا ہے اور یہ پتھر پہاڑی کھائیوں میں جا کر مٹی اور کیچڑ میں کہیں دفن ہو جاتے ہیں۔

ایسے پتھر پہاڑوں ہی میں نہیں، انسانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ کچھ انسان نرم مزاج، دوسرے کی بات سننے کو تیار، دلائل و براہین پر غور کرنے اور عقل و فہم کی بنیاد پر اپنی اصلاح کرنے والے ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ سخت چٹانوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر سخت ہوتے ہیں۔ یہ اپنی ضد اور انا کے آگے کوئی عقلی دلیل سننے کو تیار ہی نہیں ہوتے اپنے آباؤ اجداد کو اور خود کو عقلِ کُل کے درجے پر فائز سمجھتے ہیں۔ یہ اپنی عقل سے بس اسی قدر استفادہ کرتے ہیں جس قدر کوئی چوپایہ کر سکتا ہے۔

علوم قرآن اور علوم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد علیہم السلام کا گونجتا، گرجتا آبشار عالم ملکوت سے عالم ناسوت کی طرف گرتا ہے تو حق کے متلاشی اس سے استفادہ کر کے اپنے شک و شبہے کو یقین میں بدل لیتے ہیں۔ اس کے برعکس ضدی لوگ خصوصاً کافر و مشرک اور دھریے طرح طرح کے خود ساختہ واہموں کی دنیا میں مست رہنے والے افراد سخت نوکیلے پتھروں کی طرح ہوتے ہیں اور اس آبشارِ علم کی طاقت ور لہریں انہیں ان کی ضد، ہٹ دھرمی، حسد اور جہالت کے سبب دلدلی کیچڑ

میں لے جا کر پھینک دیتی ہیں۔

آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس حدیث کو توجہ کے ساتھ پڑھیں گے تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی وہی کیفیت محسوس ہو گی جو مجھے اس وقت محسوس ہوئی تھی جب میں نے اسے پہلی بار پڑھا تھا۔

ایک خیال آیا، جی چاہتا ہے کہ آپ سے بھی شیئر کروں، احادیث میں آیا ہے کہ

''قبر میں انسان کو منکر ونکیر کے سوال کے جواب میں کہنا کافی نہیں ہو گا کہ میرا رب اللہ ہے، فرشتے یہ سوال بھی کریں گے کہ وجود باری تعالیٰ کے لیے تمہاری ذاتی دلیل کیا ہے؟''

یعنی یہ کافی نہیں کہ ہم اللہ کو اپنا رب اس لیے مان لیں کہ ہمارے والدین یا بزرگوں نے یہ بتایا تھا۔ نہیں..... ایک توحید پرست کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس اس کی ایک ذاتی دلیل ہونا چاہیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اپنا خالق، اپنا مالک اور وحدہ لاشریک کس دلیل کی بناء پر مانا۔

میرے خیال میں اسی طرح ہمارے پاس اس بات کے بھی ذاتی دلائل ہونا چاہئیں کہ ہم چہاردہ معصومین علیہم السلام کو اپنا سیّد وسردار.... اللہ تعالیٰ کے سواء ہر ایک سے افضل کیوں مانتے ہیں؟

علوم محمدؐ و آل محمدؑ کا یہ عظیم خزانہ اردو دان طبقے کے لیے طویل عرصے تک زبانوں اور زمانوں کے گرد وغبار میں کہیں چھپا رہا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے سبب زہرا اکیڈمی کراچی، پاکستان آج اسے بڑے فخر کے ساتھ اپنے قارئین کے لیے پیش کر رہی ہے۔

حدیث ھلیلہ آپ کو ایسے دلائل فراہم کرے گی کہ آپ معصومین علیہم السلام پر عقل و منطق کی بنیاد پر ایمان لائیں گے۔ حدیث ھلیلہ علوم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد علیہم السلام کے علمی خزانوں میں سے ایک انمول خزانہ ہے۔

یہ حدیث وجود باری تعالیٰ اس کی وحدانیت، خالقیت اور ربوبیت کے ایسے دلائل

سے آراستہ ہے جن کے آگے سرکش، سرنگوں ہو جائیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر سوال اُٹھانے والوں کی زبانیں خاموش ہو جائیں۔ اس حدیث کو پڑھ کر مغرب سے مشرق تک نیچر کے گن گانے والوں اور خدا کے بندوں کو گمراہ کرنے والے نام نہاد دانش وروں کی عقلیں ششدر رہ جائیں گی اور اس حدیث کا مطالعہ کرنے والے مومنین کی روحیں ایمان کے نور سے جگمگا اُٹھیں گی۔

والسلام
محمد علی سیّد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث ہَلِیلَہ

کتاب توحید البحار الانوار میں یہ عبارت موجود ہے کہ مفضل بن عمر جعفی نے حضرت ابوعبداللہ جعفر بن محمد علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا۔ خط کا مفہوم یہ تھا کہ ملتِ اسلامیہ میں ایسے لوگ ظاہر ہوگئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کا انکار کرتے ہیں اور اس پر خوب بحثیں کرتے ہیں۔ آپؑ سے درخواست ہے کہ مجھے آپ ان دہریوں کے اقوال کو رد کرنے کے دلائل سے آگاہ فرمایئے، جس طرح آپؑ نے اس سے پہلے اس طرح کے گمراہ کن دعووں کو اپنے دلائل سے رد فرمایا ہے۔

مفضل ابن عمر کے اس خط کے جواب میں جناب ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ مضمون تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معبودِ برحق ہمیں اور تمہیں اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے ذریعے ہمارے لئے اپنی رضامندی کو اپنی رحمت سے لازم فرمائے۔ تمہارا خط ملا۔ تم نے لکھا ہے کہ (اس وقت) ہمارے دین و مذہب (اسلام) میں انتشار کا عالم ہے اور یہ ان لوگوں کے سبب ہے جو اللہ

رب العالمین کی ربوبیت (وحدانیت) کا انکار کرتے ہیں۔ تم نے لکھا ہے کہ (اسلامی معاشرے میں) ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور اس موضوع پر بحث وتکرار میں اضافہ ہو گیا ہے۔

تم نے اس خط میں یہ درخواست بھی کی ہے کہ میں ایسے لوگوں اور ایسے گمراہ کن دلائل کی رد میں کوئی کتاب لکھ دوں۔ جس طرح میں اس سے پہلے بھی ان اختلاف کرنے والوں کے اقوال کو رد کر چکا ہوں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی کامل نعمتوں اور انتہا کو پہنچی ہوئی حجتوں اور اس کے لائق حمد امتحان پر جس سے اس نے ہر خاص و عام کو آزمایا ہے شکر ادا کرتے ہیں۔ اس نے جو عظیم نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے ہر خاص و عام کے دلوں میں اپنی ربوبیت (کے احساس) کو قائم کر دیا اور (اپنی) معرفت کا عہد ان سے لے لیا۔ انسانوں کے لئے ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں قلوب کے امراض کی شفا ہے۔

پھر یہ کہ اس نے خود انہیں (یعنی انسانوں کو) اور نہ اپنی کسی (دوسری) مخلوق کو اپنے سوا کسی دوسرے کا محتاج بنایا۔ اللہ کی ذات ان سب (مخلوقات بہ شمول انسان) سے مستغنی ہے اور (بے شک) وہ غنی بھی ہے اور محمود بھی ہے۔

اپنی زندگی کی قسم! ان جاہل دہریوں کو ان کے رب کی طرف سے بے حد ضرر پہنچا ہے (اور یہ ضرر ونقصان اس سبب سے پہنچا کہ یہ خدا کی ذات کے منکر ہیں)

آثارِ کائنات بتا رہے ہیں، کوئی خالق ہے

یہ لوگ اللہ کے وجود کی کس قدر دلیلیں، اور کس قدر واضح علامتیں خود اپنی خلقت میں دیکھتے ہیں اور ملکوت آسمان وزمین (یعنی اس عظیم کائنات میں اپنی آنکھوں سے) اللہ تعالیٰ کی کس قدر حیران کن صنعتوں اور مقامات کا مشاہدہ کرتے ہیں (لیکن ان پر غور نہیں کرتے) یہ سب

زمین وآسمان اوران میں موجوداسرار کائنات بتارہے ہیں کہ ان چیزوں کا کوئی بنانے والا ہے۔

لیکن (خدا کی ذات کا انکار کرنے والا) وہ شخص ہے جس نے خود اپنے لئے گناہوں کا دروازہ کھول لیا ہے اور نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے آسان راستے اختیار کرلیے ہیں۔اسی سبب سے خواہشات نفسانی ان لوگوں کے دلوں پر غالب آگئی ہیں اور اس ظلم (یعنی اللہ کے وجود کا انکار) کرنے کے سبب شیطان کو ان پر غلبہ حاصل ہوگیا ہے۔اللہ تعالیٰ اسی طرح سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے (اس لئے کہ وہ سب کچھ سمجھنے اور جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرتے ہیں)۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے اس دعوے پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مخفی ہے (یعنی اسے دیکھ کر اس کا وجود ثابت نہیں ہوا) اگر چہ وہ خود اپنے وجود میں اس کی صنعت و حکمت کے واضح آثار دیکھ رہے ہیں۔

مجھے اپنی جان کی قسم! یہ لوگ اگر حقائق پر ذرا سا بھی غور کرتے تو اشیائے عالم کا عدم سے وجود میں آنا اور ان کا مخلوق ہونا (گویا) اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ پھر ان چیزوں کا ایک حال سے دوسرے حال پر، اور ایک ساخت سے دوسری ساخت پر بدلنا ہی ایک ایسا امر ہے جو کسی خالق وصانع کے ہونے کی واضح دلیل ہے۔

❁..❁

نوٹ: مادّے کا ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا

مثلاً مادے کا ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا، رحم مادر میں ایک خلیے کا گوشت کے لوتھڑے میں بدلنا، اس کے بعد بچہ بننا، پھر پیدا ہونے کے بعد اس نوزائیدہ انسان کی جسمانی ساخت میں مسلسل تبدیلی۔اسی طرح ایک ننھے سے بیج کا ایک تناور پیڑ میں تبدیل ہونا۔اسی طرح تمام مخلوقات کے وجود میں درجہ بہ درجہ تغیر اور اس تبدیلی کے مطابق ان کے اعضاء وجوارح کا کام کرنا، یہ ایسے حقائق ہیں کہ انسان

غور کرے تو اس کی سمجھ میں آجائے گا کہ ان مخلوقات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔

یہ مخلوقات کبھی نہیں تھیں، پھر عدم سے وجود میں آئیں اور مصلحت و مشیت پروردگار کے مطابق رو بہ ترقی یا رو بہ زوال ہوتی رہتی ہیں۔

مثلاً کسی انسان کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ خود اپنے مرضی سے پیدا ہو جاتا اور نہ کسی انسان میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنے وجود میں ہونے والی مسلسل تبدیلیوں کو روک سکے۔ ہر شئے کے وجود میں ایک حکمت و مصلحت موجود ہے اور وہ یہ بتاتی ہے کہ اس مخلوق میں جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں اس کا سبب اس مخلوق کے سوا کوئی اور ہے اور وہی ذات، خالق حقیقی کی ذات ہے۔ صرف تبدیلیوں ہی کی حکمت دیکھ کر اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اسے کسی حکیم مطلق نے پیدا کیا ہے۔

ایک ہندو طبیب سے گفتگو

امام جعفر صادق علیہ السلام نے آگے فرمایا:

............خیر میں نے تمہاری درخواست کے مطابق ایک مضمون لکھا ہے۔ یہ دراصل ایک منکر خدا سے میری گفتگو ہے۔ وہ منکرِ خدا بھی ان گمراہ لوگوں کے عقیدے پر تھا۔ اس نے جو سوال اٹھائے اور میں نے جن دلائل سے اسے لاجواب کیا، اس کی تفصیلات تمہارے لئے لکھ رہا ہوں۔

ایک ہندی طبیب اکثر میرے پاس آیا کرتا تھا اور اسی طرح کی گمراہ کن باتیں کیا کرتا تھا۔ ایک روز مجھے کوئی دوا تیار کرانا تھی۔ اس دوا کی ترکیب میں هلیلہ بھی شامل تھی۔ وہ ہندی طبیب نسخے میں ملانے کے لئے هلیلہ کوٹ رہا تھا۔ هلیلہ (یعنی ہڑ) کوٹتے کوٹتے اس نے پھر وہی باتیں دہرانا شروع کر دیں (پہلے تم اس کی باتیں سنو!)

دہریے کی باتیں

اس نے کہا کہ یہ دنیا ہمیشہ سے اسی طرح ہے اور ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ ایک درخت اگتا ہے، دوسرا درخت گر جاتا ہے۔ ایک جان پیدا ہوتی ہے، دوسری جان ختم ہو جاتی ہے۔

اس نے یہ بھی کہا کہ آپ جو ایک اللہ کے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بغیر کسی دلیل کے ہے۔ آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اللہ ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ اسے حال کے لوگوں نے ماضی کے لوگوں سے سنا اور چھوٹوں نے اپنے بڑوں سے (اور بس...... اسی سنی سنائی بات سے ایک نیا عقیدہ ذہنوں میں بس گیا کہ ایک اللہ ہے، ایک خالق مطلق ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے)۔

اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اشیاء مفرد (ایک) ہوں یا مرکب (Compound) ظاہری ہوں یا باطنی۔ ان سب کو صرف حواسِ خمسہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے یعنی آنکھ سے دیکھ کر، کان سے سن کر، ناک سے سونگھ کر، منہ سے چکھ کر اور ہاتھ پاؤں سے چھو کر..... (اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی شئے ان حواسوں سے محسوس نہ کی جا سکے تو اس کا موجود ہونا ممکن نہیں ہے۔)

اس نے گفتگو کا رخ بدلا

اس طرح کی باتیں کر کے اس نے اپنی گفتگو کو ایک خاص رخ دیا اور کہنے لگا: کہ میں نے آج تک خدا کو اپنے کسی حاسے (یعنی آنکھ، ناک، کان، زبان یا جلد) سے محسوس نہیں کیا کہ اللہ کے موجود ہونے کی بات میرے دل میں بیٹھتی۔

اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا: بہر حال جس دلیل سے آپ اپنے پروردگار کی معرفت (یعنی اس کے ہونے) کا ثبوت دیتے ہیں اور اس کی قدرت و ربوبیت کو بیان کرتے ہیں وہ مجھ سے بیان کریں۔ اگر چہ دل انھی چیزوں کو قبول کرتا ہے جنہیں حواسِ خمسہ سے محسوس کیا جا سکے۔

میں نے اس کی تمام باتیں سننے کے بعد اس سے کہا: میں تمہیں اس عقل کے ذریعے خدا کے وجود کا ثبوت دوں گا، جو میرے دل میں ہے اور اس دلیل کے ذریعے جس سے اس کی معرفت کا ثبوت پیش کیا کرتا ہوں۔

کیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟

اس نے کہا: یہ آپ کیا فرما رہے ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ دل حواسِ خمسہ کی مدد کے بغیر کسی چیز کو نہیں جان سکتا۔ تو کیا آپ نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے یا کبھی اس کی آواز سنی ہے یا اسے سونگھ کر محسوس کیا، یا اسے زبان سے چکھ کر معلوم کیا۔ یا اسے ہاتھ سے چھو کر دیکھا جس سے آپ کے دل میں اس کی معرفت آ گئی؟ (یعنی آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ ہے)۔

اسی وجہ سے اقرار

میں نے کہا: تم اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہو کہ تم نے اسے حواسِ خمسہ کے ذریعے محسوس نہیں کیا اور میں (اسی بنیاد پر) اس کے وجود کا اقرار کرتا ہوں۔

تو کیا اس کے سوا کوئی صورت بنتی ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہو اور دوسرا سچا؟

اس نے کہا: نہیں۔

میں نے کہا: چلو ذرا دیر کو مان لیتے ہیں کہ تمہارا کہنا درست ہے کہ (نعوذ باللہ) خدا نہیں ہے۔ اب میں تمہیں عذابِ خدا سے ڈراتا ہوں تو اس میں میرے لئے خوف کی کوئی بات ہے؟

اس نے جواب دیا: نہیں اس میں خوف کی کیا بات ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ڈرانے کا فعل ہی بے معنی ہو۔ (کیونکہ جب خدا ہو گا ہی نہیں تو اس سے ڈرانا یا اس کے عذاب کا خوف محسوس کرنا ایک بے معنیٰ سی بات ہو گی)۔

زیادہ عقلمند کون ہوا؟

میں نے کہا: دیکھو! اگر وہی حقیقت ہو جو میں کہتا ہوں (یعنی اگر اللہ موجود ہوا) تو کیا ایسا نہیں ہے کہ تم تو انکار کی وجہ سے ہلاکت میں پڑ جاؤ گے اور میں اس سبب سے محفوظ رہوں گا کہ عذاب خدا سے ڈرایا کرتا تھا۔

اس نے جواب دیا: یہ تو ہے.... ضرور ایسا ہوگا۔

میں نے پوچھا: تو پھر ہم دونوں میں سے زیادہ عقل مند کون ہوگا؟ (میں یا تم؟)

وہ بولا: آپ (اس لیے کہ اگر اللہ ہوا تو آپ ممکنہ عذاب سے محفوظ رہیں گے) لیکن یہ سب جو آپ کہہ رہے ہیں وہ محض ایک دعویٰ اور ایک گمان ہے اور میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ ایک یقینی بات ہے اس لئے کہ میرے حواسِ خمسہ میں سے کسی نے آج تک خدا کو محسوس ہی نہیں کیا میں تو اسے کہیں بھی موجود نہیں پاتا۔

میں نے کہا: (عجیب بات ہے) تمہارے حواس جب اللہ تعالیٰ کو محسوس کرنے سے عاجز رہے تو تم نے اس کے وجود کا انکار کر دیا۔ جب کہ میرے حواسِ خمسہ اس کے ادراک سے قاصر رہے تو میں نے اس کے ہونے کی تصدیق کی۔

اس نے کہا: یہ کس طرح؟

مادّہ، جسم رکھتا ہے

میں نے اسے بتایا: دیکھو! جو چیز بھی (مادے کی آمیزش سے بنی) ہے وہ جسم ضرور رکھتی ہے مثلاً جس چیز کو بھی ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں وہ رنگ (اور حجم وغیرہ) ضرور رکھتی ہے لہٰذا جس چیز کو آنکھ یا دوسرے حاسّوں نے محسوس کرلیا، وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور شے ہے اس لئے کہ وہ (خالق اپنی) مخلوقات سے مشابہہ نہیں ہے اور نہ مخلوقات میں سے کوئی شے اس سے مشابہ ہے۔

پھر تم دیکھو! کہ دنیا کی ہر شئے اور تمام مخلوقات مسلسل تغیر و تبدل کا شکار رہتی ہیں اور جو بھی تغیر پذیر اشیاء سے مشابہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود بھی تغیر و تبدل سے گزرتا ہے (اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ) نہ مخلوق اپنے خالق جیسی ہو سکتی ہے اور نہ خالق اپنی مخلوق کے مشابہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح وہ شئے جو عدم سے وجود میں آئی ہو، وہ عدم سے وجود میں لانے والی ذات جیسی کیسے ہو سکتی ہے۔

میں نہیں مانتا

وہ ضد پر آمادہ اور جہالت پر جما ہوا تھا، کہنے لگا: ٹھیک ہے یہ آپ کا خیال ہو سکتا ہے لیکن میں تو اسے مانتا ہی نہیں جسے میرے یہ حواس محسوس نہ کر سکیں۔

زبانی کلامی دعویٰ

میں نے کہا: اب جب کہ تم نے جہالت ہی پر کمر باندھی لی ہے اور اپنی بات پر جمے رہنے کو دلیل سمجھتے ہو، تو جو عیب (یعنی دعویٰ بلا دلیل) تم نے مجھ پر لگایا، وہی عیب خود تمہارے اندر بھی ثابت ہوتا ہے۔ تم نے بھی وہی کیا ہے جسے خود ناپسند کرتے ہو۔ تم نے یہ کہا کہ یہ میرا ذاتی (تجربہ اور) دعویٰ ہے کہ جو چیز میرے حواسوں سے محسوس نہ ہو تو گویا وہ ہے ہی نہیں۔

وہ بولا: کیا مطلب؟

میں نے بتایا: تم نے مجھ پر یہ الزام عائد کیا کہ میں محض دعویٰ ہی دعویٰ کرتا ہوں۔ اس کی کوئی دلیل میرے پاس نہیں ہے۔ گویا میں دعویٰ بغیر کسی دلیل کے کرتا ہوں۔ اپنے بارے میں تمہارا رویہ (انداز) یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کا انکار، محض زبانی کلامی کرتے ہو۔ جب کہ تمہارے پاس اللہ کے نہ ہونے کی کوئی دلیل موجود ہی نہیں ہے۔

کیاتم زمین وآسمان چھان چکے ہو؟

اچھا چلو! اس جواب الجواب کے مرحلے کو چھوڑ و اور مجھے یہ بتاؤ کہ کیاتم دنیا کی تمام سمتوں اوراس کے طول وعرض میں گھوم آئے ہو؟ اوراس کی تمام جہتوں (اور طبقوں) کی حد تک پہنچے ہو۔

اس نے کہا: نہیں

میں نے پوچھا: کیا کبھی تم اس (تاحدِ نظر پھیلے ہوئے اس نیلگوں) آسمان کی وسعتوں میں سفر کر چکے ہو؟ یا زمین کے نیچے یا اس کے اطراف میں جا چکے ہو۔ یا کبھی تم نے سمندروں اور دریاؤں کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ لگایا ہے؟ یا آسمان سے اوپر اور زمین کے نیچے کے تمام طبقوں کو دیکھ آئے ہو؟ یا کبھی تم فضاؤں (خلاء) کے اطراف و جوانب کی سیر کر چکے ہو اور ان تمام مقامات پر تم نے اللہ تعالیٰ کو تلاش کیا ہے؟ اور کیا تمہیں یقین ہے کہ ان تمام مقامات پر تمہیں اللہ کا کوئی سراغ نہیں ملا؟ وہاں کہیں کسی جگہ کوئی مدبّر کائنات، عالم و باخبر ذات موجود نہیں ہے (اور یہ ساری کائنات خود ہی قائم اور متحرک ہے)۔

نوٹ: زمین وآسمان، قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں ہم اس زمین، نظام شمسی اور عظیم تر کائنات کے طول عرض کو مختصراً بیان کر رہے ہیں اس لیے کہ آئندہ صفحات پر آپ امام جعفر صادقؑ کی گفتگو کے دوران یہ موضوعات بار بار بیان کیے گئے ہیں اور اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قارئین امامؑ کی گفتگو کی گہرائی کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

زمین کا طول عرض

زمین کا کُل رقبہ 510.1 ملین مربع کلومیٹر ہے، خشکی کا علاقہ 149 ملین مربع کلومیٹر ہے اور پانی کا علاقہ 361 ملین مربع کلومیٹر ہے

نظام شمسی کی وسعت

سورج اور اس کے نو سیارے 5.7 ارب مربع کلومیٹر میں پائے جاتے ہیں۔

بیکراں کائنات

معلوم شدہ کائنات کم از کم 46 ارب نوری سال کی وسعت میں پھیلی ہوئی ہے۔ معلوم شدہ کائنات میں نظر آنے والے مادّہ کی مقدار 4.9 فیصد ہے۔

نظر نہ آنے والے ماڈے کی مقدار 68.3 فیصد ہے اور نظر نہ آنے والی توانائی کی مقدار 26.8 فیصد ہے۔

اس نے حیران ہو کر کہا: نہیں (میں نے تو کبھی اِن مقامات تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کیا)

پھر کس دلیل سے اللہ کا انکار کرتے ہو؟

میں نے کہا: پھر تم کس دلیل کی بنیاد پر (اتنے یقین سے) اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہو؟ جب کہ ان تمام مقامات کو (ابھی تک) تم نے اپنے حواسوں کی مدد سے کھنگھالا ہی نہیں۔ ممکن ہے اللہ ان مقامات پر، کہیں موجود ہو جہاں نہ تم گئے اور نہ تمہارے حواس۔

(ہندی طبیب جو حواسِ خمسہ کے ذریعے اللہ کو محسوس نہ کرنے کی بنیاد پر اللہ کی ذات کا انکار کر رہا تھا تو امامؑ نے جب وسعتِ کائنات کی بات کی تو اس کی دلیل ہی دم توڑ گئی۔ وہ گڑبڑا گیا)۔

اس نے جواب دیا: میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ شاید جن مقامات کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہاں کوئی حکیم وخبیر یا کوئی تدبیر کرنے والی ذات موجود ہو۔ اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ شاید ان میں کسی بھی جگہ کوئی بھی تدبیر کرنے والا موجود نہ ہو۔

یقین کس طرح حاصل ہوسکتا ہے؟

میں نے کہا: چلوتم مکمل انکار کی حد سے شک کی حد میں تو داخل ہوئے۔ تو مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ معرفت (یعنی وجودِ خدا کو ماننے) کی حد تک بھی پہنچو گے۔

اس نے کہا: ہاں! شک تو آپ کے سوال سے پیدا ہوا جو آپ نے (کائنات کے) ایسے مقامات کے بارے میں کیا جنہیں میں قطعی طور پر نہیں جانتا لیکن جس چیز کو میرے حواس نے محسوس نہ کیا ہو، اس کا یقین مجھے کس طرح ہوسکتا ہے۔

میں نے کہا: اسی ھلیلہ (ہڑ) کے ذریعے (جسے تم کوٹ رہے ہو۔)

اس نے کہا: ہاں! یہ (ہڑ) تو دلیل کو خوب واضح کرے گی کیونکہ یہ میرے طب کے شعبے اور طریقہ علاج میں شامل ہے میں اس کی خصوصیات کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا اثر ہر شئے میں دیکھا جاسکتا ہے

میں نے کہا: میرا یہی ارادہ ہے کہ میں اس ھلیلہ کے ذریعے تمہیں وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سمجھاؤں۔ اگر اس وقت اس کی جگہ کوئی اور شے تم سے زیادہ قریب ہوتی تو میں اس کے ذریعے تمہیں اس کے پیدا کرنے والے کا ثبوت دیتا۔ حقیقت تو ہے اللہ کی حکمت کا اثر تو ہر شئے میں دیکھا جاسکتا ہے (کہ اس شئے کو ضرور کسی نے ایجاد کیا ہوگا شئے کو دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کس نے، کس طرح، کن عناصر کو جمع کر کے اس شئے کو مخصوص شکل و خصوصیات کے ساتھ پیدا کیا؟) اور یہ بات اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ وہ شئے کبھی نہیں تھی، اسے کسی نے پیدا کیا ہے اور اسے ایک مدت کے بعد دوبارہ سے عدم میں لے جائے گا جیسے کہ وہ کبھی تھی ہی نہیں۔

یہ ھلیلہ ہندوستان میں بھی پائی جاتی ہے

اچھا خیر! یہ بتاؤ تم اس ھلیلہ کو دیکھ رہے ہو؟

اس نے کہا: جی ہاں! یہ میرے سامنے موجود ہے۔

میں نے کہا: جو کچھ ھلیلہ کے اندر موجود ہے اسے بھی دیکھ رہے ہو؟

اس نے کہا: نہیں۔

میں نے کہا: کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس کے اندر ایک بیج ہے جو تمہیں اس وقت نظر نہیں آرہا؟

اس نے کہا: کچھ کہہ نہیں سکتا...... ممکن ہے اس کے اندر کچھ بھی نہ ہو۔

میں نے کہا: تم حکمت کرتے ہو اور جانتے ہو کہ اس ھلیلہ کے چھلکے کے نیچے مغز چھپا ہوا ہے یا کوئی ایک رنگین سی شئے جسے تم اس وقت دیکھ نہیں پار ہے۔

اس نے کہا: مجھے خبر نہیں۔ شاید اس کے نیچے کوئی رنگین چیز یا مغز ہو، یا کچھ بھی نہ ہو۔

میں نے کہا: اچھا تم یہ تو اقرار کرتے ہو کہ یہ چیز جسے لوگ ھلیلہ کے نام سے جانتے ہیں ہندوستان میں بھی پائی جاتی ہے۔ کئی حکماء نے (اپنی کتابوں میں) اس کا ذکر کیا ہے۔

اس نے کہا: مجھے نہیں معلوم ممکن ہے جس بات پر انہوں نے اتفاق کر لیا ہو وہ بات ہی غلط ہو۔

میں نے کہا: اچھا تم اس کا تو اقرار کرو گے کہ ھلیلہ کہیں کسی نہ کسی جگہ، زمین ہی میں اُگتی ہے؟

اس نے کہا: زمین کوئی سی بھی ہو ایک سی ہی ہوتی ہے..... بہر حال! میں نے ھلیلہ کو اس جگہ بھی دیکھا ہے جہاں یہ پیدا ہوتی ہے۔

ایسی ھلیلہ کہیں اور بھی ہوں گی!

میں نے کہا: اچھا اس ھلیلہ کے موجود ہونے سے تم یہ تو سمجھ سکتے ہو کہ ایسی ہی ھلیلہ

کہیں اور بھی موجود ہوں گی جنہیں تم اس وقت دیکھنے سے قاصر ہو؟

اس نے کہا: مجھے خبر نہیں......شاید اس ھلیلہ کے سوا دنیا میں کسی اور جگہ ھلیلہ موجود ہی نہ ہو۔

(ہندی طبیب کوئی حتمی جواب دیتے ہوئے ڈر رہا تھا کہ امامؑ اس سے کوئی ایسی دلیل نہ قائم کر دیں جسے وہ رد نہ کر سکے)۔

(تو مفضل!) اس طرح وہ ہندی طبیب ضد پر اڑ گیا۔ بہر حال......میں نے کہا: اچھا! یہ تو مانتے ہو کہ یہ ھلیلہ کسی درخت سے پیدا ہوئی ہے؟ یا تمہارا خیال ہے کہ یہ ھلیلہ بس خود بہ خود پیدا ہو گئی۔

اس نے کہا: یہ بات میں مانتا ہوں کہ یہ ھلیلہ ضرور کسی درخت سے نکلی ہے۔

میں نے کہا: تو گویا تم نے اس ھلیلہ کے حوالے سے ایک ایسے درخت کے وجود کو تسلیم کر لیا جسے تم نے ان پانچ حواسوں سے محسوس نہیں کیا۔ (ابھی کچھ دیر پہلے وہ ھلیلہ کے درخت کے بارے میں نہ انکار کرتا تھا نہ اقرار۔)

یہ ھلیلہ درخت میں پیدا ہونے سے پہلے نظر آئی تھی؟

اس نے کہا: یہ بات درست ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ھلیلہ ہو یا دوسری مختلف چیزیں یہ سب ہمیشہ سے ہی اسی طرح چلی آتی ہیں۔ کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے آپ میرے کلام کو رد کر سکیں؟

میں نے کہا: میرے پاس دلیل ہے لیکن پہلے مجھے اس ھلیلہ کے بارے میں بتاؤ کہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے تم نے اس کے درخت کو دیکھا تھا؟ اس کے پیڑ کو تم پہچانتے ہو؟

اس نے کہا: بالکل دیکھا ہے اور اسے پہچانتا ہوں۔

میں نے کہا: یہ ھلیلہ درخت میں (پیدا ہونے سے پہلے) تمہیں نظر آئی تھی؟

اس نے کہا: نہیں۔

ھلیلہ نہیں تھی پھر پیدا ہوگئی!

میں نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تم نے دیکھا کہ ھلیلہ کا پیڑ موجود ہے لیکن اس میں کوئی ھلیلہ نہیں ہے۔ پھر ایک دن تم نے اس درخت کو دیکھا تو ھلیلہ وہاں موجود تھی۔ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ ھلیلہ پہلے نہیں تھیں۔ پھر ایک دن اس میں پیدا ہوگئیں؟ (یعنی عدم سے وجود میں آگئیں)۔

اس نے کہا: میں اس بات کا انکار نہیں کرسکتا لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ ھلیلہ تو درخت میں نہیں تھیں البتہ ان کے مختلف اجزاء الگ الگ درخت کے اندر موجود تھے۔

ذراسی ھلیلہ میں کیا کچھ چھپا تھا

میں نے کہا: مجھے یہ بتاؤ کہ جس ھلیلہ سے یہ درخت اُگا تھا اسے تم نے بوئے جانے سے پہلے دیکھا تھا؟

اس نے کہا: ہاں دیکھا تھا۔

میں نے کہا: تو کیا تمہاری عقل میں یہ بات آتی ہے کہ ھلیلہ کے درخت کی جڑیں، رگیں، شاخیں، تنا، چھلکے اور تمام پھل جو (برسوں تک) اس سے حاصل کئے جاتے ہیں اور پتے جو اس سے گرتے ہیں... تو کیا یہ ہزاروں من چیزیں اس ایک ذراسی ھلیلہ کے اندر چھپی ہوئی تھیں؟

یعنی یہ چیزیں بعد میں پیدا ہوئیں

اس نے کہا: یہ بات تو عقل میں نہیں آتی اور نہ دل اسے قبول کرتا ہے۔

میں نے کہا: تو تم نے مان لیا کہ یہ سب چیزیں درخت میں حادث ہوئیں (یعنی عدم سے وجود میں آئیں) پہلے ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ (یعنی پہلے صرف ھلیلہ کی گٹھلی تھی۔ اسے

زمین میں بویا تو اس سے درخت، پتے، شاخیں اور پھل پیدا ہوئے۔)

اس نے کہا: ہاں بالکل! لیکن میں یہ نہیں جان سکتا کہ یہ کسی کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ کیا آپ اس بات کو میرے لئے ثابت کر سکتے ہیں؟

میں نے کہا: کیوں نہیں۔ اب اگر میں تمہیں کوئی طریقہ بتاؤں تو کیا مان لوگے کہ اس کا کوئی مدبّر ہے، یا میں تمہیں کوئی تصویر دکھاؤں تو تم اقرار کرو گے کہ اس کا کوئی مصوّر ہے۔

اس نے کہا: ضرور مان لوں گا۔

میں نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ھلیلہ کا اوپری حصہ گوشت کی طرح ہے جو ایک ہڈی (گٹھلی) پر قائم کیا گیا اور یہ ہڈی (یعنی گٹھلی) اس جوڑ سے مربوط ہے جو شاخ سے ملا ہوا ہے اور وہ شاخ ایک تنے سے جڑی ہوئی ہے۔ اسی طرح درخت کا تنا ایک (موٹی) جڑ پر کھڑا ہوا ہے اور جڑ اپنی باریک جڑوں کے ذریعے زمین کے نیچے (ادھر اُدھر) تک پھیلی ہوئی ہے۔

اس نے کہا: جی ہاں ایسا ہی ہے۔

ھلیلہ مختلف عناصر سے وجود میں آئی

میں نے کہا: تو اس ھلیلہ کو دیکھ کر تم نہیں سمجھتے کہ یہ ھلیلہ کس قدر حکمت اور منصوبہ بندی کے ساتھ بنائی گئی ہے؟ اس کے ایک جز نے دوسرے کے اندر داخل ہو کر مرکب کی شکل اختیار کی۔ تم دیکھو اس ھلیلہ میں تہہ پر تہہ ہے، جسم پر جسم اور ایک رنگ پر دوسرا رنگ۔ دیکھو! زردی پر ایک سفید رنگ بھی ہے اور سخت (گٹھلی) پر ایک نرم چیز (یعنی گودا) ہے اور یہ ھلیلہ، مختلف طریقوں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے اجزاء (مختلف عناصر) کے ایک خاص ترکیب کے ساتھ ملنے سے وجود میں آیا ہے۔

(اورتم دیکھو) اس کے اوپر ایک چھلکا بھی ہے جو اس کے تمام مشتملات کو (یعنی جو کچھ اس کے اندر ہے) قائم رکھتا ہے اور اس کے درخت کی جڑیں بھی ہوتی ہیں جن کے ذریعے پانی اس کے اندر داخل ہوتا ہے۔ پتیاں بھی ہیں جو پھل کو چھپائے رہتی ہیں۔ اسے دھوپ کی شدت اور سردی سے محفوظ رکھتی ہیں۔ انھی کے ذریعے ہوا کے تند جھونکوں سے بھی اِس کی حفاظت ہوتی ہے کہ ہوا، اسے پتلا نہ کردے۔

اس نے کہا: پتیاں اگر اس کو ڈھکے رہتیں تو یہ زیادہ بہتر نہ ہوتا؟ (یعنی پتیاں پھل کے اوپر چپکی رہتیں)۔

پیشگی منصوبہ بندی

میں نے کہا: یا اللہ...... اگر ایسا ہوتا جیسا تم کہہ رہے ہو تو اسے ہوا بالکل ہی نہ لگتی۔ دراصل ہوا (کی ایک خاص مقدار) اس میں تازگی پیدا کرتی ہے۔ اور اگر سردی اسے بالکل ہی نہ لگتی تو اس میں مضبوطی پیدا نہ ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھل میں بدبو پیدا ہو جاتی (اور ھلیلہ سڑ جاتی) تم نے دوسرے کئی پھلوں میں بھی دیکھا ہوگا کہ اگر کسی سبب سے پتیاں اس پر چپک جائیں تو پھل کو دھوپ نہیں لگتی اس کے نتیجے میں پھل ناپختہ رہتا ہے۔

موجودہ صورت میں ایسا ہوتا ہے کہ کبھی دھوپ لگتی ہے کبھی ہوا کبھی سردی (کبھی دھوپ) یہ سارے وہ اہتمام ہیں جن کی پیشگی منصوبہ بندی اور انتظامات کیے گئے ہیں۔ جنھیں معبود برحق نے اپنی حکمت کاملہ سے (ایسا ہونا) مقدر فرمایا ہے۔

مجھے تدبیر کے بارے میں بتائیں

اس نے کہا: تصویر کے بارے میں تو آپ کی یہ تقریر میرے لئے کافی ہے (یعنی میں

اقرار کرتا ہوں کہ ضرور اس کی صورت بنائی گئی ہے اور یہ صورت یقیناً کسی نے بنائی ہے) لیکن اب مجھ سے اس کی تدبیر کے بارے میں واضح طور پر بیان فرمائیں جیسا کہ آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ مجھے اسے (یعنی تدبیر کو) کو دکھادیں گے (یعنی ثابت کردیں گے اس پھل میں کسی مدبر و منظم کی حکمت و تدبیر نے کام کیا ہے۔)

میں نے کہا: تم نے اس ھلیلہ کو پختہ ہونے سے پہلے دیکھا ہے، جب شاخ کے ذریعے اس کے اندر صرف پانی ہی جار ہا تھا۔ اس وقت نہ اس میں گٹھلی تھی، نہ مغز، نہ اوپر کا چھلکا ، نہ رنگ، نہ ذائقہ اور نہ یہ سختی (جو اس وقت تم محسوس کر رہے ہو)

اس نے کہا: جی ہاں، اس حالت میں بھی اسے دیکھا ہے۔

اگر اس کے لیے پہلے سے کوئی منصوبہ نہ ہوتا۔

میں نے کہا: تو دیکھو! کہ اگر اس (ھلیلہ) کا خالق اس کمزور پانی کو جو کمی اور کم مائیگی میں رائی کے دانے کے برابر تھا، اپنی قدرت سے مضبوط نہ کرتا اور اپنی حکمت سے اس کی ھلیلہ جیسی شکل نہ بناتا اور اپنی قدرت سے اس کی تقدیر (پہلے سے طے شدہ پروگرام) کے مطابق اسے (ھلیلہ) کی شکل نہ دیتا تو کیا یہ (ذرا سا) پانی اپنے اندر الگ الگ اجزاء کی آمیزش (کی صلاحیت) کے بغیر بڑھ سکتا تھا؟ اگر فرض کرلیں بڑھتا بھی تو تہہ بہ تہہ پانی ہی بڑھتا۔ نہ اس میں یہ دھاریاں ہوتیں، نہ اجزاء یکجا ہو کر نمو پاتے، نہ تہہ بہ تہہ اجزاء کی یہ مخصوص مقدار و تعداد ہوتی اور نہ اس کی ساخت ھلیلہ جیسی ہوتی۔

یہ بات تو میں مان گیا مگر...

اس نے کہا: آپ نے اس درخت کی صورت اور اس کی ساخت کی ترکیب، اس کے پھل کے پیدا ہونے، اس کے اجزاء کے بڑھتے رہنے اور اس کی بناوٹ کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ نہایت واضح طور پر اس کے بنانے والے (خالق) کے وجود کو ثابت کیا اور اب میں مانتا ہوں کہ تمام چیزیں کسی نہ کسی کی بنائی ہوئی ہیں لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اس ھلیلہ اور دوسری چیزوں نے خود ہی اپنے آپ کو بنالیا ہو۔

(امامؑ نے اُس کے اس سوال کو نظر انداز کر دیا اس لیے کہ یہ بات اسے پہلے سمجھائی جا چکی تھی۔)

میں نے کہا: تمہیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ جس نے تمام اشیاء اور اس ھلیلہ کو پیدا کیا ہے وہ حکیم و عالم (یعنی بہترین عقل و حکمت اور علم رکھنے والا) ہے۔ تم نے اس کی قوتِ تدبیر کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے (کہ اس طرح ھلیلہ کا بتدریج ایک خاص شکل اختیار کرنا کسی علم و حکمت رکھنے والے خالق کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے)

اس نے کہا: ہاں یہ تو میں سمجھ گیا کہ ان اشیاء کو جس نے بھی بنایا وہ علم و حکمت اور قدرت رکھتا ہے۔

کیا اس کا پیدا کرنے والا بھی پیدا ہوا ہوگا؟

میں نے کہا: تو کیا ایسا ممکن ہے کہ ایسا خالق (جو اشیاء کو عدم سے وجود میں لانے کی قدرت رکھتا ہو) وہ خود بھی حادث ہو (یعنی وہ خود بھی عدم سے وجود میں آیا ہو)

اس نے کہا: نہیں (ایسا ممکن نہیں ہے)

میں نے کہا: تم نے دیکھا کہ ھلیلہ درخت میں پیدا ہونے سے پہلے نہیں تھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ یہ درخت میں پیدا ہو گئی اور پیدا ہونے کے کچھ عرصے بعد فنا بھی ہو گئی جیسے اس کا کوئی وجود تھا ہی نہیں۔

میں نے یہ نہیں کہا

اس نے کہا: ہاں یہ تو میں نے دیکھا ہے لیکن میں نے تو ابھی آپ سے صرف اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ھلیلہ ایک حادث (یعنی عدم سے وجود میں آنے والی) چیز ہے۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ اس کا بنانے والا خود اپنے آپ کو عدم سے وجود میں نہیں لاسکتا۔ (حالاں کہ ابھی اس نے کہا تھا کہ نہیں ایسا ممکن نہیں)

میں نے کہا: ابھی تو تم نے کہا تھا کہ خالق عدم سے وجود میں نہیں آسکتا اور تم ہی نے اقرار کیا تھا کہ ھلیلہ حادث ہے (یعنی پہلے نہیں تھی پھر پیدا ہوگئی تو پھر ھلیلہ خود اپنے آپ کو وجود میں کس طرح لاسکتا ہے) تم نے اس بات کو مانا تھا کہ ھلیلہ کسی کی بنائی ہوئی چیز ہے۔ (لہٰذا اس کا بنانے والا خدائے عزوجل ہی ہوسکتا ہے)۔

جس کا انکار، اسی کا اقرار

اب اگر تم دوبارہ وہی بات کہو کہ نہیں صاحب! ھلیلہ نے خود ہی اپنے آپ کو بنایا ہے اور خود ہی اس نے اپنی ساخت (رنگ، عناصر اور خصوصیات وغیرہ) کو ایک پہلے سے طے شدہ تدبیر (منصوبے) کے مطابق طے کیا ہے...... تو یہ تم نے کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں کی سوائے اس کے کہ جس چیز کا انکار کررہے تھے، اس کا اقرار کرلیا۔ یعنی تم نے حکمت و تدبیر کے ساتھ اشیاء کو بنانے والے کے وجود کو تسلیم کرلیا۔ تم نے اس کی صفت تو ٹھیک بیان کی لیکن اسے پہچانے نہیں۔ اس کا نام کچھ اور (یعنی ھلیلہ) رکھ دیا۔

اس نے کہا: یہ کس طرح ہوا............ میں سمجھا نہیں!

میں نے کہا: اس طرح کہ تم نے مان لیا کہ پیدا کرنے والا ایک علیم و حکیم، قدرت رکھنے والا اور مدبّر ہے۔ اس کے وجود کا اقرار تم کر چکے ہو۔ جیسے کہ تمہارے خیال میں ھلیلہ نے خود اپنے آپ کو

پیدا کرلیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کوئی ھلیلہ سے بھی بڑا مدبر، حکیم اور خالق ہے تبھی تو اس نے اس قدر حکمت بھری چیز پیدا کی ہے۔ (یاد ہے ناں کہ) میں نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ (پیدا کرنے والا) کون ہے تو تم نے کہا تھا کہ ممکن ہے تمام چیزوں اور اس ھلیلہ نے خود ہی اپنے آپ کو پیدا کر لیا ہو۔

تم نے خالق کے وجود کو مان لیا مگر نام کچھ اور رکھ لیا

تم نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے وجود کا اقرار تو کر لیا (اس طرح کہ تم نے ایک خالق، حکیم اور مدبر کی ضرورت کو تسلیم کر لیا) البتہ تم نے اس کا نام کچھ اور رکھ لیا (یعنی اللہ کہنے کے بجائے تم نے اپنی عقل کے مطابق اسے "ھلیلہ" کہہ دیا)۔ البتہ اگر تم اپنی عقل سے کچھ کام لیتے اور غور وفکر کے بعد کسی نتیجے تک پہنچتے تو تمہاری سمجھ میں آجاتا کہ ھلیلہ میں یہ قوت کس طرح ہو سکتی ہے کہ خود پیدا ہو جائے (اس لیے کہ ابھی تو وہ ہے ہی نہیں جو خود کو پیدا کرے) خود سوچو کہ ھلیلہ میں اس تدبیر (پروگرام یا منصوبہ بندی) کی طاقت ہی نہیں کہ وہ اپنے پیدا ہونے کے لیے کوئی منصوبہ بندی کرے۔

نوٹ: ایک معمولی پھل کے لئے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ پہلے اپنی خلقت کی ضروریات مثلاً مٹی، پانی، سردی، گرمی، سورج کی توانائی کا انتظام کرے پھر، اپنے بیج، جڑ، تنے، شاخوں، پتوں، پھولوں، اپنی بناوٹ، ساخت اور خصوصیات کو طے کرے۔ اس کے بعد ان تمام ضروریات کو اپنے پیدا ہونے سے پہلے زمین پر فراہم کرے۔ خود زمین وآسمان اور سورج، چاند ستاروں یا کائنات کی تمام اشیاء کا بھی یہی معاملہ ہے۔

اس نے کہا: آپ کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور بھی دلیل ہے؟

اس ھلیلہ کی بات کرو

میں نے کہا: اچھا! چلو ذرا تم اس ھلیلہ کے حوالے سے بات کرو (جس کے بارے میں

تم نے کہا ہے کہ اس نے خود اپنے آپ کو بنایا اور خود ہی اپنے بنانے کی تدبیر کی)۔

تو اب یہ بتاؤ کہ آخر اس نے اپنے آپ کو کس طرح بنالیا۔ یہ ایک معمولی سی چیز ہے۔جس میں قوت بہت کم ہے۔کوئی اسے توڑنا چاہے تو (یہ مزاحمت نہیں کرسکتی) آسانی سے ٹوٹ جاتی ہے۔کوئی اسے کھانا چاہیے تو یہ خود کو دوسرے کی خوراک بننے سے نہیں روک سکتی۔پھر اس نے کس طرح اپنے آپ کو بنالیا؟ جبکہ یہ خود اپنی ذات میں کم قدر، تلخ، بدنما، بے رونق، اور بے حیثیت چیز ہے۔

❁..❁

نوٹ: ہلیلہ اگر درخت پر لگی ہوئی ہو تو ایک چھوٹا سا پرندہ، ایک معمولی سا جانور بھی اسے توڑ کر گرا سکتا ہے اور بہ آسانی اسے کھا سکتا ہے۔ہلیلہ ہی نہیں کسی پھل پھول، پیڑ پودے میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اپنا دفاع کر سکے اور خود کو توڑے جانے یا کھائے جانے سے بچا سکے۔اگر پھلوں نے خود کو پیدا کیا ہے تو ان میں خود کو برقرار رکھنے کی طاقت وصلاحیت کا ہونا بھی لازمی تھا۔اس کے برعکس انسان، پرندے اور دوسرے جانور تو کیا، اکثر ایک نادیدہ وائرس اور بیکٹیریا بھی بڑے سے بڑے پیڑ کو فنا کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

(واضح رہے کہ پیڑ پودے بھی اپنے دفاع کی حیران کن ترکیبیں بھی کرتے ہیں لیکن یہ سب کام وہ ان صلاحیتوں کے ذریعے کرتے ہیں جو ان کے خالق نے ان میں پیدا کی ہیں، یہ ایک الگ موضوع ہے اور اس گفتگو سے متعلق نہیں ہے)۔

❁..❁

اس نے کہا: (آپ نے ہلیلہ کی جس کم طاقتی کا ذکر کیا تو) ایسا اس لئے ہوا کہ میرے خیال میں ہلیلہ میں صرف اپنے آپ ہی کو بنانے کی قوت ہے۔ یا یہ کہ وہ خود کو اتنا ہی بنا سکتی ہے جس قدر چاہتی ہے۔

ھلیلہ نے خود کو پیدا ہونے سے کیسے پہلے بنایا

میں نے کہا: اچھا..... اگر تم اس طرح کی لغویات پر اڑے رہنا چاہتے ہو تو مجھے اس ھلیلہ کے بارے میں یہ بتادو کہ اس نے خود اپنے آپ کو کب پیدا کیا؟ اپنے پیدا ہونے سے پہلے یا پیدا ہونے کے بعد۔

اگر تم یہ کہو گے اس نے اپنے پیدا ہونے کے بعد خود کو پیدا کیا تو یہ واضح طور پر محالات و ناممکنات میں سے ہے کہ کوئی چیز ایک مرتبہ پیدا ہو اور پھر دوبارہ پیدا ہو جائے۔ اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو تمہاری بات کا مطلب یہ ہوا کہ ھلیلہ دو مرتبہ پیدا ہوئی (یعنی پہلے خود پیدا ہوئی پھر اس نے اپنے آپ کو پیدا کیا یعنی اس کے بعد دوبارہ پیدا ہو گئی)۔

یہ تو تمہارے ایک ممکنہ خیال کا جواب ہوا..... اس کے برعکس اگر تم یہ کہو کہ ھلیلہ نے اپنے پیدا ہونے سے پہلے ہی خود کو پیدا کر لیا تھا۔ تو یہ بھی واضح طور پر عقلاً لغو اور جھوٹ ہوگا اس لئے کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے وہ اپنا وجود ہی نہیں رکھتی تھی کہ خود کو پیدا کرتی!

کس کی بات درست ہے؟

تم میرے یہ کہنے کو تو غلط بتاتے ہو کہ ایک پہلے سے موجود شئے کسی لا شئے (غیر موجود شے) کو پیدا کر سکتی ہے لیکن اپنی اس بات کو غلط نہیں مانتے کہ ایک موجود نہ ہونے والی چیز کسی موجود شئے کو پیدا کرے۔ اب تم خود ہی فیصلہ کرو کہ ان دو باتوں میں کس کی بات زیادہ قرین عقل ہے؟

اس نے کہا: بے شک آپ کی بات زیادہ سچی (اور قرین عقل) ہے۔

میں نے کہا: تو پھر اس سچی بات کو ماننے سے تمہیں کیا چیز روکتی ہے؟

شاید درخت نے اسے پیدا کیا ہو

اس نے کہا: میں آپ کی بات مانتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ سچائی ثابت ہوگئی کہ اس ھلیلہ سمیت دنیا کی تمام اشیاء نے خود اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا اور نہ انہوں نے خود اپنی نشوونما، اپنی بہتری اور اصلاح کی ہے لیکن۔۔۔ میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ شاید اس ھلیلہ کے پیڑ نے اسے پیدا کیا ہے۔ یہ خیال اس لئے آتا ہے کہ یہ ھلیلہ اسی درخت ہی سے تو نکلا ہے۔

میں نے کہا: اچھا...... یہ بتاؤ کہ اس درخت کو کس نے پیدا کیا (کیا اس درخت نے خود اپنے آپ کو پیدا کرلیا؟)

اس نے کہا: اس درخت کو دوسرے ھلیلہ نے پیدا کیا۔

ایک حد پر ٹھہر جاؤ

میں نے کہا: دیکھو! اپنی بات کو ایک حد پر ٹھہرالو (کیونکہ یہ سوال تو اسی طرح پیدا ہوتے چلے جائیں گے) کہ ھلیلہ نے درخت کو پیدا کیا یا درخت نے ھلیلہ کو خلق کیا۔ اس طرح تمہارا کلام لامتناہی صورت اختیار کرتا جائے گا (مثلاً مٹی کو کس نے پیدا کیا جس میں یہ پیڑ اگتا ہے تم کہوگے زمین... تو سوال ہوگا کہ زمین کو کس نے خلق کیا؟)

تو اب یا اس بات کو مان لو کہ جہاں اس گفتگو کا اختتام ہوگا، وہی اللہ سبحان وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اگر تم اس کا اقرار کرو تو میں تمہاری بات مان لوں گا اور اگر تم کہتے ہو کہ جہاں یہ سلسلہ (سوال وجواب) ختم ہوگا وہ ھلیلہ ہے تو پھر ہم آگے بات کریں گے۔

ہندو طبیب اُلجھ گیا

اس نے کہا: اچھا آپ پوچھئے۔ (ہندو طبیب کنفیوز ہوگیا اور کوئی واضح اقرار یا انکار

نہیں کر پا رہا تھا)۔

میں نے کہا: تم نے دیکھا ہو گا کہ ھلیلہ کا درخت ھلیلہ سے اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ھلیلہ (یعنی اس کی گٹھلی مٹی میں دب کر) بوسیدہ اور نابود ہو جاتی ہے؟

اس نے کہا: بالکل ایسا ہی ہے (کہ جب ھلیلہ فنا ہو جاتا ہے تو اس سے نیا درخت اگتا ہے)

درخت کو پیدا کرنے والی گٹھلی تو ختم ہو گئی

میں نے کہا: ھلیلہ کی گٹھلی جو اس پیڑ کو پیدا کرنے والی تھی، وہ تو نیست و نابود ہو گئی۔ اس کا وجود ہی باقی نہ رہا لیکن پیڑ بڑھتا رہتا ہے اور برسوں قائم رہتا ہے۔ تو اب یہ بتاؤ کہ درخت کے خالق (یعنی ھلیلہ کی گٹھلی) کے فنا ہو جانے کے بعد کون اس درخت کو پروان چڑھاتا ہے؟ کون اس کی حفاظت اور نشو و نما کی تدبیر کرتا ہے؟ کون اس کے تنے کی پرورش کرتا ہے (اس کی جڑیں کون پھیلاتا ہے؟ تنا کس طرح مضبوط ہوتا ہے۔ شاخیں کون پھیلاتا ہے؟ پتے کون اُگاتا ہے، اس میں پھل کون لگاتا ہے۔) تمہارے خیال میں اگر ھلیلہ کی گٹھلی اس پیڑ کی خالق تھی تو وہ تو اب باقی ہی نہیں رہی۔ تو اب اس ''خالق'' کے مرنے کے بعد یہ سارے کام کون کرتا ہے؟

بے ربط بے معنی بات

اب تمہارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ مانو کہ وہی اللہ اس کی خلقت اور بقا کی تدبیر کرنے والا ہے جس نے ھلیلہ کو پیدا کیا ہے اور اگر اس کے برعکس کہو گے کہ نہیں جناب! یہ تو ھلیلہ کی گٹھلی ہی ہے کہ وہ اپنے فنا ہونے، بوسیدہ اور خاک میں مل جانے سے پہلے باقی تھی (اس کا خالق یعنی ھلیلہ کی گٹھلی درخت کو خلق کرنے سے پہلے مر گئی اس کے باوجود) وہ فنا ہونے، خاک میں مل جانے کے بعد بھی درخت کی پرورش کرتی رہی.... تو یہ ایک بے ربط اور بے معنی

بات ہوگی۔اس لئے کہ خالق اور مربی ایک ہی چیز ہے۔(یعنی جو پیدا کرتا ہے وہی رب بھی ہوتا ہے۔اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ (جیسا کہ تم کہتے ہو کہ ھلیلہ نے ھلیلہ کے پیڑ کو پیدا کیا ہے) خالق، بقا کی حالت میں تو خالق ہو اور جب وہ خود فنا ہو جائے تو مربی ہو جائے۔(یعنی فنا ہو جانے کے بعد بھی پرورش و پرداخت کرتا رہے)۔

اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ھلیلہ کا اپنے درخت کو پیدا کرنا اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ ھلیلہ (گٹھلی) کے اجزاء بتدریج تحلیل ہوتے جائیں اور درخت بنتا جائے۔حتیٰ کہ ھلیلہ فنا ہو جائے اور درخت پیدا ہو جائے تو اب ھلیلہ کو فنا ہوگئی تو اس درخت کی نشوونما کرنے والا کون ہوگا؟

اس نے کہا: میں نے یہ نہیں کہا (یعنی ایسا تو ممکن ہی نہیں ہے)

میں نے کہا: تو پھر مان لو کہ اس ھلیلہ (اور تمام اشیائے عالم) کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے (وہی خالق بھی ہے اور ان سب کا رب بھی) اب بتاؤ کیا خیال ہے تمہارا؟ یا تمہارے دل میں اب بھی کوئی شبہہ باقی ہے۔

اس نے کہا: اس مسئلے میں میرا دل نہیں مانتا۔ مجھے اس میں توقف (Reservation) ہے۔کوئی بات دل میں جمنے والی ابھی مجھے نہیں ملی۔

حاسے (حواس) دل کو کچھ نہیں بتا سکتے اگر...

میں نے کہا: اچھا تم اگر اب بھی جہالت پر آمادہ ہو اور تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ میرا دل نہیں مانتا۔(یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میرا دل گواہی دے گا تو میں مانوں گا) اس لئے کہ تمام اشیائے عالم حواس کی تصدیق کے ذریعے محسوس ہوتی ہیں۔تو دیکھو! ان حاسوں (یعنی آنکھ، کان، ناک، زبان اور جلد) کے ذریعے بغیر دل کے کوئی دلالت و معرفت نہیں حاصل کی جاسکتی۔صرف دل ہی ان حاسوں کی رہنمائی کرتا ہے اور تمام چیزوں کی شناخت کر کے (تمہیں) بتاتا ہے کہ یہ کیا شئے

ہے۔ جیسے کہ تم کہتے ہو کہ دل بغیر حاسوں کے کچھ نہیں جان سکتا۔ حالانکہ صورت یہ بھی ہے کہ دل باخبر ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو حاسے (یعنی پانچ حواس اسے) کچھ نہیں بتا سکتے۔

نوٹ: محاورۃً دل ہی کو عقل وفہم کا مرکز کہا جاتا ہے لیکن میڈیکل سائنس کے مطابق یہ دماغ ہی ہے جو روح کی مدد سے عقل کو استعمال کرتا ہے اور انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دل (قلب) سے مراد انسانی جسم کا کوئی اور مقام ہو جہاں یہ حاسے اپنی معلومات پہنچاتے ہیں اور اس مقام پر یہ طے کیا جاتا ہو کہ یہ کیا شئے ہے کس چیز کی آواز ہے، کس کی شکل ہے، یہ شئے کتنی نرم، سخت، گرم یا سرد ہے اور اس پر کس طرح کا رد عمل ہوگا۔ لیکن اس بات کے ابھی کوئی سائنسی، مشاہداتی ثبوت موجود نہیں ہیں۔

اس نے کہا: میں اس بات کو ہرگز نہیں مان سکتا جب تک کہ آپ دلیل کے ساتھ اس کی پوری طرح وضاحت نہ فرمائیں۔

حواس اکثر باطل ہو جاتے ہیں

میں نے کہا: اچھا! دیکھو تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ حواس اکثر باطل ہو جاتے ہیں، یا بعض حاسے خراب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آنکھ، کان وغیرہ۔ لیکن اس حاسوں کے خراب ہو جانے کے باجود دل (یعنی دماغ) ان اشیاء کی تدبیر و اصلاح کرتا رہتا ہے جن میں کوئی نقصان یا فائدہ ہوتا ہے۔ یہ کام چاہے ظاہر ہوں یا خفیہ دل (یعنی دماغ) ان کاموں کے ہونے میں رہنمائی کرتا رہتا ہے۔

کیا تم نہیں جانتے کہ دل (یعنی دماغ) حواسوں کے ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتا ہے؟

نوٹ: اگر کوئی شخص دیوانگی کا شکار ہو تو ایسی صورت میں بھی اس کے اندرونی

اعضاء، اندرونی نظام، کھانا ہضم ہونا، دوران خون کا رواں رہنا، دل کا دھڑکنا یا نظام تنفس وغیرہ، دماغ کی ہدایات کے مطابق کام کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ نابینا افراد آنکھوں کے نہ ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ کے لمس سے دیکھ سکتے ہیں۔ وہ کپڑے کو چھو کر اس کے معیار اور اس کا رنگ تک بتا سکتے ہیں۔

اس نے کہا: ہاں (باقی تو رہتا ہے) لیکن ایسا رہتا ہے کہ ان اشیاء کو بتا نہیں سکتا جنہیں یہ حواس نہیں بتا سکتے تھے (یعنی جب حواس نہیں بتا سکتے تھے تو دل بھی نہیں بتا سکتا)۔

نوزائیدہ بچے کے حواس

میں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو (محض) گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ حواس اسے کسی ایسی چیز کے بارے میں نہیں بتا سکتے جو سننے اور دیکھنے، چکھنے، سونگھنے یا چھونے کی چیزیں ہیں (مطلب یہ کہ اس مرحلے میں نوزائیدہ بچہ سننے، دیکھنے، چکھنے، چھونے اور سونگھنے اور اس تجربے کی بنیاد پر خود کوئی فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے)۔

اس نے کہا: ہاں جانتا ہوں۔ (بالکل ایسا ہی ہے)

اس بچے کو کس نے بتایا؟

میں نے کہا: اچھا تو پھر اس نوزائیدہ بچے کو اس کے کسی حاسّے (یعنی، ناک، کان، زبان، آنکھ یا جلد) نے بتایا کہ جب اسے بھوک لگے تو رونا شروع کر دے اور اس طرح دودھ طلب کرے اور جب دودھ پی کر اس کا پیٹ بھر جائے تو رونے کے بعد مسکرانے لگے۔

پرندے اوران کے بچے

(اچھا! یہ تو انسانی بچے کی بات ہے) اب تم دیکھو کہ شکاری پرندوں اور دانہ چگنے والے پرندوں کو ان کے کس حاسے نے بتایا کہ شکاری پرندے اپنے بچوں کے آگے گوشت لا کر ڈالیں اور دانا چگنے والے پرندے اپنے بچوں کو دانہ بھرائیں۔ اوراس مقصد کے لئے گوشت خور پرندے گوشت ڈھونڈیں اور دانہ کھانے والے پرندے دانے کی تلاش کریں۔

آبی پرندے، خشکی کے پرندے

اسی طرح مجھے آبی پرندوں کے بارے میں بتاؤ کہ کیا یہ حیران کن بات نہیں ہے کہ آبی پرندے کے بچے کو جب پانی میں ڈالا جاتا ہے تو وہ پانی میں مزے سے تیرنے لگتا ہے۔ مثلاً بطخ کا بچہ۔ لیکن اس کے برعکس اگر خشکی کے پرندوں کے بچوں کو پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ ڈوبنے لگتے ہیں (مثلاً چڑیا اور کبوتر کے بچے)

اب دیکھو! ان دونوں طرح کے پرندوں کے حاسے تو ایک ہی سے ہیں تو انھی حاسوں کے ذریعے آبی پرندوں نے فائدہ اٹھایا اور پانی میں تیرنے لگے اور خشکی کا پرندہ اپنے ان حاسوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکا۔

یہ بھی دیکھو کہ آخر کیا وجہ ہے کہ خشکی کے پرندوں کو اگر کچھ دیر پانی میں رکھو تو وہ مر جاتے ہیں، ان کے برعکس اگر آبی پرندوں کو کچھ عرصہ پانی سے دور رکھا جائے تو وہ پانی کے بغیر مر جاتے ہیں۔

نوٹ: امامؑ اس ہندی طبیب کی اس بات کی تردید فرما رہے ہیں کہ دل (یعنی دماغ) حواسوں کے بغیر کچھ نہیں بتا سکتا۔ اگر حواس نہیں ہوں گے تو دل بھی نہ کچھ معلوم کر پائے گا اور نہ کسی ردعمل کا اظہار کر سکے گا۔ امامؑ نے خشکی اور پانی کے پرندوں کی مثال سے

یہ سمجھایا کہ بیرونی دنیا سے معلومات حاصل ہونے کا مرکز دل (یعنی دماغ) ہے اور وہ بغیر حاسوں یعنی آنکھ، کان، ناک، زبان اور جلد سے حاصل ہونے والی اطلاعات کے بغیر بھی اپنا کام کرتا رہتا ہے خشکی اور پانی کے پرندے ایک سے حواس رکھتے ہیں لیکن پانی کے اندر دونوں کا ردعمل مختلف ہوتا ہے۔ اور یہ ان کی اس فطرت کے مطابق ہوتا ہے جس کا اظہار ان کا دل (یعنی دماغ) کرتا ہے۔ وہ خشکی کے پرندوں میں کسی اور طرح کی صلاحیت پیدا کرتا ہے اور آبی پرندوں میں کسی اور طرح کی صلاحیت کو ظاہر کرتا ہے۔
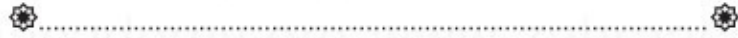
تمہارا دعویٰ تو اسی مثال سے باطل ہوجاتا ہے

میں نے مزید کہا: میرے نزدیک یہ تمہارا حاسے والا دعویٰ کہ حاسوں کے بغیر دل (یعنی دماغ) کچھ معلوم نہیں کرسکتا تو اسی مثال سے باطل ہوجاتا ہے (بات حواس یا دل کی نہیں ہے) تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ کسی حکیم و مدبر نے پانی کی مخلوقات الگ طرح کی پیدا کی ہیں اور خشکی پر رہنے والی مخلوقات کو الگ طرح کا بنایا ہے۔ حاسے دونوں کے ایک سے ہیں لیکن وہ دل (دماغ) کے مطابق الگ الگ ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔

چیونٹی پانی میں تیرنے لگتی ہے

اسی طرح جس چیونٹی نے کبھی پانی دیکھا ہی نہ ہو اور اسے پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ پانی پر تیرنے لگتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک پچاس سال کے بالکل صحت مند اور عقل مند آدمی کو جس نے تیراکی نہ سیکھی ہو پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ ڈوب جاتا ہے۔

اگر بات یہ ہوتی کہ تمام چیزیں ان حواس سے معلوم ہوتی ہیں تو انسان جو عقل و ہوش اور تجربات رکھتا ہے۔ اس کے حواس بھی بالکل ٹھیک ہیں تو اس نے اپنے حاسّوں کی مدد سے

(فوراً ہی) تیرنا کیوں نہ سیکھ لیا ہے جیسے کہ چیونٹی نے معلوم کرلیا؟

دل (دماغ) کے ذریعے الگ الگ رہنمائی

کیا تم اب بھی نہیں سمجھ سکے کہ یہ دل (یعنی دماغ) جو انسان کے بچوں اور حیوانات کے بچوں میں موجود ہے دراصل عقل کا مرکز ہے۔ یہ انسان کے بچے کو بتاتا ہے کہ وہ کس طرح غذا طلب کرے (اسے کس طرح حاصل کرے، کس طرح ہضم کرے) دانہ چگنے والے پرندے کو بتاتا ہے کہ وہ دانہ چگے اور گوشت خور پرندوں کو بتاتا کہ وہ صرف گوشت کھائے۔

اس نے کہا: میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا کہ دل صرف حاسّوں کے ذریعے ادراک کرسکتا ہے۔

حاسے (حواس) صرف ظاہری اشیاء کو پہچان سکتے ہیں

میں نے کہا: اگر تم حاسّوں (یعنی آنکھ، کان، ناک، زبان اور جلد) ہی کو سب کچھ سمجھ رہے ہو (حالانکہ پہلے تم نے مان لیا تھا کہ حواس، دل (یعنی دماغ) کے بغیر کچھ نہیں بتا سکتے) تو چلو میں (ذرا دیر کے لئے) تمہاری اس بات کو مان لیتا ہوں۔ اب میں تمہیں انھی حواسوں کے بارے میں بتاؤں گا اور تم سمجھ جاؤ گے کہ حاسے صرف ظاہری اشیاء کو جان اور پہچان سکتے ہیں لیکن یہ خدائے بزرگ و برتر کی ذات کا ادراک نہیں کرسکتے۔

اسی طرح وہ چیزیں جو نظر نہیں آتیں اور پوشیدہ و مخفی ہیں، انہیں یہ حاسے محسوس نہیں کرسکتے (مثلاً کسی کے دل کا حال، کسی کے ذہن کے خیالات) اس بات کو اس طرح سمجھو کہ جس ذات نے ان حاسوں یا حواس کو بنایا، اس نے انہیں صرف ظاہری اشیاء کو محسوس کرنے والا بنایا جن کے ذریعے خالقِ حقیقی کے وجود پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

خالق نے ان حواسوں کے لئے ایک دل (یعنی دماغ) بنادیا جس سے اس نے اپنے بندوں پر حجت قائم کردی (حاسّے بیرونی دنیا سے معلومات جمع کر کے دل (یعنی دماغ) کوفراہم کرتے ہیں اوردل (یعنی دماغ اپنے اندر موجود عقل ومنطق کے ذریعے (انسان کو) یہ بتاتا ہے کہ جب کوئی شئے ہےتوضرور اسے کسی نے بنایا ہوگا۔)

آنکھ نے آسمان کودیکھا

مثلاً نظر نے اس مخلوق کودیکھا جس کا ایک حصہ دوسرے سے ملحق ومتصل ہے (یہ کوئی بھی مخلوق مثلاً کوئی حیوان، زمین، آسمان، انسان ہوسکتی ہے) اوران (تفصیلات) سے دل (یعنی دماغ) کوآگاہ کیا۔مثلاً آنکھ نے دل (یعنی دماغ) کواس آسمانی سلطنت (اس عظیم کائنات) اور(اس زمینی) آسمان کے فضا میں بلند رہنے کودیکھا۔اس نے یہ بھی دیکھا کہ یہ آسمان (ہمیشہ سے ایسا ہی ہے) بغیر کسی ستون اورسہارے کے اسی طرح قائم رہتا ہے۔نہ کبھی (اپنی طے شدہ گردش سے) پیچھے رہ جاتا ہے کہ ٹوٹ پھوٹ جائے اورنہ کبھی آگے بڑھ جاتا ہے کہ اپنے مقام سے ہٹ جائے۔نہ کبھی نیچے جھک آتا ہے کہ ہم سے قریب ہوجائے اورنہ کبھی مزید بلند ہوجاتا ہے کہ ہم سے زیادہ دور چلا جائے۔

یہ آسمان ہمیشہ سے اسی طرح نظر آتا ہے۔طویل مدت گزرنے کے باوجود اس میں کہیں کوئی شکست ریخت نظرنہیں آتی۔رات دن کے آنے جانے سے پرانانہیں ہوتا۔نہ اس کا کوئی حصہ الگ ہوکرزمین پرگرتا ہے، نہ اس کا کوئی کنارہ کبھی ٹوٹ کرگرا۔

سات سیاروں پر غور کرو

اسی طرح ان سات سیاروں پر بھی غور کرو کہ یہ آسمان کی حرکت سے متحرک ہیں اور ایک برج سے دوسرے برج میں روز بہ بروز، ماہ بہ ماہ اور سال بہ سال (ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق) منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض تیز رفتار ہیں، بعض کی رفتار کم ہے۔ بعض میانہ رفتار ہیں۔ پھر ان کا جاتے جاتے پلٹ آنا اور مستقیم (یعنی طے شدہ) رفتار سے چلنا کبھی جنوب کی طرف جانا، کبھی شمال کی طرف جانا، آفتاب کے روشن رہنے کے وقت پوشیدہ رہنا، غروب آفتاب کے بعد چمکنے لگنا۔ سورج اور چاند کا تیز رفتاری کے ساتھ ایک برج سے دوسرے برج میں جانا۔

❁..........❁

نوٹ: سات سیّارے اور برج کیا ہیں؟ قارئین کی دلچسپی کے لیے عرض کر رہیں کہ "سبعہ سیارہ" یا سات سیارے کیا ہیں۔ یہ سات سیارے (۱) شمس (۲) قمر (۳) زہرہ (۴) مشتری (۵) مریخ (۶) عطارد (۷) زحل ۔۔۔ اور 12 بروج: ان بارہ بروج کے نام ہیں: حمل، ثور، جواز، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، اور حوت پر مشتمل ہیں۔ واضح رہے کہ سات سیاروں میں سے ہر سیارہ ہر برج سے گزرتا ہے ان کی ہر برج میں رہنے کا دورانیہ الگ الگ ہے۔

❁..........❁

ستارے کسی مخلوق نے نہیں بنائے

یہ سب سورج چاند ستارے اپنے زمانے اور اوقات کار سے ذرا سا نہیں ہٹتے (آج سے نہیں، یہ لاکھوں کروڑوں سال سے انہی اوقات کار کے پابند ہیں)۔ اس بات کو اس علم کے جاننے والے (اور غور وفکر کرنے والے) ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سب (سورج چاند ستارے،

زمین وآسمان) سب بڑی حکمت (منصوبے اور طے شدہ حکمتِ عملی) کے ساتھ بنائے گئے ہیں اور عقل وشعور رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ کسی انسان کی عقل وحکمت سے نہیں بنے۔ نہ خیالات اور واہموں کی جستجو سے قائم ہوئے ہیں اور نہ کسی انسان کے غور وفکر اور عمل کا نتیجہ ہیں۔

تو اس طرح دل نے جان لیا کہ خلقت کائنات اور اس کی تدبیر اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے جو اس تہہ بہ تہہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جس نے سورج اور ستاروں کو ان آسمانوں میں پیدا کیا ہے وہی آسمان کا بھی خالق ہے۔

❁..❁

نوٹ: امامؑ نے آسمان دنیا کے لیے تہہ بہ تہہ کے لفظ استعمال فرمائے۔ یہ وہ سائنسی انکشاف تھا جس کے بارے میں امامؑ سے ہزاروں سال پہلے بھی کوئی نہیں جانتا تھا اور ہزار سال بعد تک بھی یہ حقیقت کسی کو معلوم نہیں تھی کہ یہ نیل گوں آسمان جو ہمیں ایک نظر آتا ہے اس کی کم از کم سات (7) تہیں ہیں یہ بات انسانوں کو انیسویں صدی عیسوی میں معلوم ہوئی۔ سائنس دانوں نے ان سات تہوں کے الگ الگ نام رکھے ہیں اور ان کی الگ الگ افادیت آج سائنس کے طالب علموں کو معلوم ہے۔

یہ نیلا آسمان زمین کے ہر طرف زمین کی اپنی کششِ ثقل کی وجہ سے ایک خاص فاصلہ پر قائم رہتا ہے اگر زمین کی کششِ ثقل ختم یا کم ہو جائے تو یہ سارا آسمان خلاء میں کہیں غائب ہو جائے گا۔

(حوالہ: How Universe Works)

❁..❁

زمین کو بھی اسی نے روکا ہوا ہے

پھر، آنکھ نے زمین کو دیکھا کہ یہ اُبھری ہوئی ہے اور دل کو اپنے مشاہدے کی خبر دی تو دل نے معلوم کرلیا کہ اس بچھی ہوئی زمین کا اپنے مقام سے ہٹنے یا فضا میں جھک جانے سے روکنے والا بھی وہی ہے جس نے اس کے چاروں طرف پھیلے بلند و بالا آسمان کو (ایک خاص) بلندی پر روکا ہوا ہے اور اس (دیکھنے والے انسان) نے اپنے اندر موجود عقل وشعور سے یہ معلوم کیا کہ اگر ایسا نہ ہوتا (کہ اسے قائم رکھنے والا نہ ہوتا) تو زمین خود اپنے بوجھ، اور پہاڑوں، دریاؤں، درختوں اور ریت کے ٹیلوں کے وزن سے (اپنے اندر کو) دھنس جاتی۔

تو دل نے آنکھ کے بتانے سے یہ جان لیا کہ زمین کا مدبّر (انتظام کرنے والا) بھی وہی ہے جو آسمانوں کا بھی مدبر ہے۔

تند و تیز آندھیاں اور نرم ولطیف ہوائیں

پھر، کانوں نے جو تند و تیز آندھیوں اور نرم ولطیف ہواؤں کی آواز سنی اور آنکھ نے دیکھا کہ تند و تیز آندھیاں بڑے بڑے درختوں کو اُکھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔ مضبوط سے مضبوط عمارتوں کے پرخچے اڑا دیتی ہیں۔ بڑے بڑے ریت کے ٹیلوں کو ادھر سے ادھر منتقل کر دیتی ہیں۔ ایک جانب کو اس سے خالی کر دیتی ہیں اور دوسری جانب اُسے لا ڈالتی ہیں۔

حالانکہ کوئی ایسا لے جانے والا نہیں جسے آنکھ دیکھ سکے اور کان اس کے قدموں کی چاپ سن سکیں، نہ اور کسی حاسے سے محسوس ہو سکے، پھر یہ ہوا بھی کوئی مجسم چیز نہیں ہے جسے چھو کر دیکھ سکیں کہ وہ کیسی ہے۔ نہ یہ ہوا محدود ہے کہ (ہم اس کا) اندازہ کر سکیں۔

دل ودماغ نے فیصلہ کیا

اب تم دیکھو کہ کان، آنکھ اور دوسرے حاسّوں نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا کہ دل کو یہ بات بتادی اور دل (دماغ) اپنے اندر موجود صلاحیتوں سے اس نتیجے پر پہنچا کہ ضرور ان سب (ہواؤں، آندھیوں اور طوفانوں) کا کوئی بنانے والا ہے۔ اس کا کوئی صانع (یعنی ہوا کو بنانے والا کوئی ضرور) ہے۔

دل (دماغ) عقل کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے

یہ اس لئے کہ دل تو اس عقل کے ذریعے سے غور کرتا ہے جو اس کے اندر رکھی گئی ہے، کہ ہوا خود بخود نہیں چل سکتی اگر خود بخود متحرک ہوتی تو کسی وقت بھی نہ رکتی اور نہ یہ کرتی کہ ایک چیز کو گرا کر تباہ کردے اور دوسری کو چھوڑ دے۔ یعنی ایک درخت کو تو اکھاڑ پھینکے اور دوسرے کو اس کے حال پر رہنے دے۔ (حالانکہ وہ پیڑ بھی اسی درخت کے پہلو میں تھا۔) نہ ایسا ہوتا ہے کہ یہ ہَوا ایک سرزمین پر تو چلے، دوسری سرزمین پر نہ چلے۔

جب دل نے ہوا کے معاملے میں غور کیا، تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی محرک ضرور ہے، جو اسے اپنی مشیت کے مطابق چلاتا اور اپنی ہی مشیت کے مطابق ٹھہراتا ہے جس پر چاہتا ہے ڈالتا، اور جس کو چاہتا ہے، اسے محفوظ رکھتا ہے۔

ہوا بھی آسمان سے وابستہ ہے

پھر جب دل نے یہ بات معلوم کی تو یہ بھی جان لیا کہ یہ ہوا بھی آسمان اور اس کی آیات وعلامات سے ملی ہوئی ہے (یعنی آسمان کے سبب موجود رہتی ہے)۔ پس اسے معلوم ہوگیا کہ وہ مدبّر جو زمین وآسمان کو ٹھہرائے رہنے پر قادر ہے، وہی ہوا کا بھی خالق ہے اور اپنی مشیت

سے اسے روکنے والا اور جس پر چاہے اس (ہوا) کو مسلط کرنے والا ہے۔

نوٹ: یہ بات کہ ہوا کا تعلق بھی آسمان سے ہے۔ امامؑ کا ایک معجزانہ کلام ہے۔ یہ وہ سائنسی راز تھا جس کے بارے میں امامؑ کے عہد سے ہزار سال پہلے اور ہزار سال بعد بھی کرّہ ارض پر کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ ان رازوں سے 18ویں اور 19ویں صدی عیسوی میں پردہ اُٹھنا شروع ہوا: کہ ہوا کا تعلق آسمان کی پہلی تہہ یعنی (Troposphere) سے ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اسی طرح آنکھ اور کان نے دل کو اس زلزلے کے حال سے بھی خبر دی اور اس نے ان کے علاوہ اور حاسّوں سے بھی محسوس کیا اس لیے کہ اس زلزلے نے اُن حاسوں کو متحرک کیا تھا۔ (زلزلے میں انسانی جسم کا توازن بگڑ جاتا ہے تو کانوں میں موجود وہ نظام جو جسم کے توازن کو برقرار رکھتا ہے وہ فوراً اس کی اطلاع دماغ کو فراہم کرتا ہے۔)

زلزلہ زمین کے ایک ہی حصے میں کیوں آیا؟

پس جب ان حاسّوں نے دل کو اتنی بڑی دبیز بھاری، لمبی چوڑی زمین کے متحرک ہونے کی خبر دی تو دل نے ان تمام پہاڑوں، دریاؤں اور زمین پر موجود بے شمار مخلوقات وغیرہ کے وزن کے بارے میں سوچا۔ اس نے یہ سوچا کہ یہ زلزلہ زمین کے ایک ہی سمت کے علاقے میں آیا ہے دوسری طرف کی زمین بالکل ساکت کیوں رہی۔

ایسا کیوں ہوا جب کہ زمین (کی اوپری سطح) ایک جسم واحد (اور جڑی ہوئی) ہے۔ نہ اس میں کہیں (بہ ظاہر) جوڑ ہے نہ کسی جگہ سے علیحدہ ہے (جس سے کہا جا سکے کہ اس جوڑ اور علیحدگی کی وجہ سے زمین کے ایک حصے میں زلزلہ آیا، دوسرے حصے میں نہیں آیا)۔ یہ زلزلہ ایک طرف کی عمارتوں وغیرہ کو تباہ کر دیتا ہے، زمین کو دھنسا دیتا ہے اور دوسری طرف کی عمارتوں کو بالکل سالم چھوڑ دیتا ہے۔

اس وقت دل نے جان لیا کہ زمین جہاں جہاں سے متحرک کرنے والی ہوئی اس کا متحرک کرنے والا اور جس قدر ساکن ہے اس کا ساکن رکھنے والا وہی ہے جو ہوا کو چلانے والا تھا اور وہی آسمان و زمین اور آسمان و زمین کے درمیان جو کچھ ہے اس کا بھی نگرانی کرنے والا اور منتظم ہے۔

دل و دماغ نے اس پر بھی غور کیا کہ یہ زمین عام طور پر پرسکون رہتی ہے۔ اگر یہ اس طرح لرزنے والی ہوتی تو ہمیشہ ہی لرزتی رہتی۔ اس طرح دل اس نتیجے تک پہنچا کہ زمین کو زلزلے سے متحرک کرنے والا بھی وہی مدبر ہے جس نے اسے ایک خاص انداز سے بنایا ہے اور اسے خلق فرمایا۔ اس کے جس حصے کو اس نے چاہا لرزا دیا اور جسے چاہا ساکن رکھا۔

بادلوں پر غور کرو

پھر آنکھ نے اللہ کی ایک بڑی نشانی یعنی بادل کو دیکھا جو آسمان و زمین کے درمیان خدائی حکم کے تابع اور دھوئیں کے مانند (سفر کرتا رہتا) ہے۔ اس میں ایسا جسم نہیں جو زمین اور پہاڑوں سے ٹکرائے۔ یہ درختوں کے درمیان سے ہو کر گزر جاتا ہے مگر نہ انہیں حرکت دیتا ہے اور نہ ان کی کسی شاخ کو توڑتا ہے اور نہ ان کے کسی حصے سے چمٹ جاتا ہے۔ قافلے والوں کے

درمیان میں آجاتا ہے اور اپنی تاریکی اور کثافت سے ان کے درمیان حائل ہوجاتا ہے (اتنا ہلکا پھلکا ہونے کے باوجود یہ کس قدر وزنی) پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتا ہے جس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔

یہ کبھی نیچے آتا ہے کبھی اوپر جاتا ہے

پھر اس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے صاعقے، چمکنے والی بجلیاں، کڑک گرج، برف، اولے اور بستہ شبنم ہوتی ہے ان کی مقدار و تفصیلات..... وہم و تصور سے بھی بالاتر ہیں۔ یہ فضائے آسمان میں بلند ہوتا ہے، علیحدہ علیحدہ رہتا ہے، پھر اکٹھا ہوجاتا ہے۔ بکھر کر غائب ہو جاتا ہے اور پھر ایک دوسرے سے مل جاتا ہے۔ اللہ کے حکم سے ہوا جس طرف اسے لے جانا چاہتی ہے، ادھر اس کو پھیلا دیتی ہیں۔ ہواؤں ہی کی وجہ سے یہ کبھی نیچے آجاتا ہے کبھی بلند ہوجاتا ہے۔ مگر اس کثیر پانی کو جو اس کے اندر ہے محفوظ رکھتا ہے۔

بہت سے شہروں سے بغیر برسے گزر جاتا ہے

اور جب اسے گراتا (برساتا) ہے تو دریا کے دریا اس سے بہہ جاتے ہیں۔ بہت سے مقامات اور شہروں پر سے بغیر برسے گزرتا جاتا ہے۔ مگر اس میں سے ایک ذرّہ برابر بھی پانی کم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ جب میلوں دور تک پہنچ جاتا ہے (اور جہاں بارش کا برسانا اللہ کو مطلوب ہو) وہاں اس پانی کو جو اس کے اندر محفوظ ہوتا ہے، قطرہ قطرہ اور سیل سیل کر کے بہاتا ہے۔ یہ بادل متواتر برستے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ حوضوں، تالابوں اور چھوٹے بڑے گڑھوں کو لبالب بھر دیتے ہیں، کتنی نہریں ہیں جو پانی سے لبریز ہوجاتی ہیں۔ اس کا بہاؤ اس قدر تیز اور یہ اس کی گونج اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

زمین سبز لباس اوڑھ لیتی ہے

پھر اسی بارش سے اللہ تعالیٰ مُردہ زمینوں کو زندگی بخشتا ہے اور ان کا خاکی رنگ، سبز رنگ سے بدل جاتا ہے، ہر جگہ گھاس اُگ آتی ہے، حالانکہ پہلے یہ جگہ بالکل بنجر و ویران تھی۔ زمین رنگا رنگ کے نباتات اور لہلہاتے خوشنما سبزوں کا لباس اوڑھ لیتی ہے جو انسانوں اور چوپاؤں کے لئے (غذا) اور معاش اور روح کے لیے خوش رنگ (نظارہ) ہوتا ہے۔

پھر جب بادل اپنے پانی کو برسا دیتا ہے تو منتشر ہو کر، ایسی جگہ چلا جاتا ہے کہ نہ دکھائی دیتا ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہاں جا کر چھپ گیا ہے۔

بادل یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا

جب آنکھ نے (بادلوں کے بارے میں ان) تفصیلات کو دل تک پہنچایا تو دل نے اپنی فطری صلاحیتوں سے یہ جان لیا کہ بادل اس طرح کے مصلحت آمیز کام خود اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا۔ ضرور کوئی ذات ان بادلوں کو خلق کرنے والی ہے جو انہیں اپنی مصلحت و مشیت کے مطابق لانے، پھیلانے، برسانے اور انہیں بکھیر کر غائب کر دینے کی طاقت رکھتی ہے۔

اگر یہ بادل بغیر کسی مدبر کے ہوتا اور جو کچھ میں نے بیان کیا، خود اس کی طرف سے ہوتا تو (کبھی) وہ اپنے پانی کے نصف کا بھی وزن نہیں اٹھا سکتا تھا اور اگر یہ بادل ہی بارش برسانے والا ہوتا تو کبھی سیکڑوں ہزاروں میل یا اس سے زیادہ پانی کو اٹھا کر سفر نہ کرتا رہتا، بلکہ اسے قریب ہی کہیں برسا دیا کرتا اور قطرہ قطرہ کر کے نہ برساتا بلکہ سارا پانی ایک ساتھ ہی برسا دیتا۔ (کیونکہ بادلوں میں نیک و بد یا نفع و نقصان کی شناخت کی صلاحیت کہاں ہے!)

اگر ایسا ہوتا تو اس سے عمارتیں گر پڑتیں، نباتات خراب ہو جاتے۔ سیلاب کی وجہ سے انسان و حیوان بہہ جاتے، آبادیاں ویران ہو جاتیں، اور یہ بھی ہوتا کہ بادل کہیں برستا اور کہیں نہ برستا۔

کبھی تو کہیں تو نظام میں خرابی پیدا ہوتی

پس ان واضح و روشن دلیلوں سے دل نے معلوم کیا کہ ان تمام با مصلحت کاموں کا مدبّر ایک ہی ہے۔ اگر دو یا تین ہوتے تو اتنی طولانی مدت، لاکھوں کروڑوں سال میں کبھی تو، کہیں تو اس نظام اور طریقہ کار میں اختلاف پڑتا، کسی میں تاخر ہوتا، کسی میں تقدم ہوجاتا۔ بعض جو بلند ہیں، پست ہوجاتے، بعض جو پست ہیں بلند ہوجاتے (موجودہ حالت کے برعکس)، کوئی اپنی مرضی سے طلوع کرتا، کوئی اپنی مرضی سے غروب کرجاتا۔ پھر یا تو اپنے وقت سے پیچھے رہ جاتا، یا اپنے پیچھے والے سے آگے نکل ہوجاتا۔

نوٹ: مثلاً زلزلے آتے ہی رہتے، بادل، ہر وقت چھائے رہتے ہیں یا بادل زمین پر بارش برسانے کے بجائے فضائے آسمانی میں زیادہ بلندی پر جاکر غائب ہوجاتے اور کبھی میدانوں میں اتر آیا کرتے۔ سورج کسی دن نکلتا، کسی دن غائب ہوجاتا یا ہمیشہ نکلا ہی رہتا، غروب ہی نہ ہوتا۔ چاند ہمیشہ ایک ہی حالت میں، ہر رات آسمان پر چمکتا رہتا یا بالکل ہی غائب ہوجاتا۔

ان سب باتوں سے دل نے معلوم کرلیا کہ تمام نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی اشیاء طاقتوں کا کوئی ایک ہی منتظم و مدبر ہے اور وہی معبود خالق و مالک کائنات اور وہی ہے جو سب سے پہلے ہے۔ آسمان کا خالق اور اسے قائم رکھنے والا۔ زمین کا پیدا کرنے والا اور اس کا بچھانے والا، اور نیز ان تمام چیزوں کا مالک جنہیں ہم نے بیان کیا، (وہ ان کا اور) اور ان کے علاوہ ہر شئے کا صانع ہے یہ اشیا (یعنی مادّی اشیاء اور نادیدہ توانین قدرت) لاتعداد اور ناقابلِ شمار و بیان ہیں۔

دن رات کا مسلسل آتے جاتے رہنا

اسی طرح آنکھ نے ایک خاص نظام الاوقات کے مطابق روز و شب کو ادلتے بدلتے دیکھا کہ یہ رات، دن جو تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو مسلسل آتے جاتے رہتے ہیں، بار بار آنے جانے کے باوجود خراب اور بوسیدہ نہیں ہوتے۔ نہ کثرتِ اختلاف سے ان کے اندر کوئی تبدیلی آتی ہے اور نہ یہ اپنی حالت میں کچھ کمی پیدا کرتے ہیں۔ دن اسی طرح اپنے نور و ضیاء کے ساتھ اور رات اپنی سیاہی و ظلمت کے ساتھ ایک دوسرے کے اندر داخل ہوتے رہتے ہیں۔

نوٹ: یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی روز ذرا دیر کے لیے دن نکلے اور پھر اندھیرا چھا جائے۔ کبھی رات آئے لیکن پندرہ بیس منٹ کے بعد سورج نکل آئے یہ دن رات لاکھوں سال سے اسی طرح پابندی وقت کے ساتھ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک اپنے طے شدہ اوقات اور اپنی لمبائی یا چھوٹائی پر ایک ہی انداز اور ایک ہی رفتار سے پہنچ جاتا ہے۔ (یعنی سال کی جس تاریخ کو دن جس قدر لمبا یا چھوٹا تھا، ہر سال اس تاریخ کو اسی قدر لمبا یا چھوٹا ہوتا ہے۔)

جن مخلوقات کو رات میں سکون رہتا ہے انہیں سکون ہی رہتا ہے اور جو مخلوقات دن میں ساکن رہتی ہیں وہ ساکن ہی رہتی ہیں۔ ان کے سکون و حرکت کا رات یا دن پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ وہ اپنی معین کردہ رفتار اور طے شدہ اندازے سے ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ (مثلاً زمین پر زلزلہ آئے، طوفان آئے، بجلیاں چمکیں، جنگیں ہوتی رہیں تو اس سے دن رات کا نظام ذرا بھی متاثر نہیں ہوتا۔)

عقل اور منطق سے فیصلہ

نیز گرمی اور سردی اوران میں سے ایک کا دوسرے کے بعد آنا، جس سے گرمی کے بعد سردی اور سردی کے بعد گرمی اپنے اپنے وقت اوراپنے اپنے آغاز پر ہوتی ہی رہتی ہے۔

آنکھ نے مشاہدہ کیا تو دل (دماغ) نے اپنی سوچنے سمجھنے اور کسی جواب تک پہنچنے کی صلاحیت کی مدد سے اس حقیقت کو سمجھا کہ جس نے ان تمام چیزوں میں تدبیر واصلاح کی ہوگی، وہ ضرور یکتا، غالب اور حکیم ہوگا۔ وہ (یقیناً) ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

(عقل نے اس پر بھی غور کیا کہ) اگر زمین وآسمان کے اندر کئی معبود ہوتے تو ہر ایک اپنی اپنی مخلوقات کی طرف متوجہ رہتا اور ایک دوسرے پر فوقیت چاہتا۔ (اپنی چیزوں کی حفاظت کرتا، دوسرے خدا کی چیزوں کوخراب کرتا رہتا) اگر ایسا ہوتا تو زمین وآسمان میں جھگڑا فساد پیدا ہوجاتا۔ کبھی پہلا دوسرے کے کاموں میں رکاوٹ ڈالتا اور کبھی دوسرا پہلے والے کے کاموں میں خرابی پیدا کر دیا کرتا۔

الٰہی پیغامات اور انسانی عقل میں ہم آہنگی

اسی طرح اب دیکھو! کانوں نے وہ کتابیں سنیں جنہیں اس مدبّر نے ان باتوں کی تصدیق کے لئے اتارا (نازل کیا) تھا، جنہیں دل نے اپنی قوتِ مدر کہ (درک کرنے کی صلاحیت اور اللہ کی توفیق) سے معلوم کیا تھا۔ نیز ان لوگوں کی باتوں کو سنا جنہوں نے یہ بتایا تھا کہ اس مدبّر وحکیم کے نہ کوئی بیوی ہے (نہ اولاد) اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔

یہ سب باتیں جب آسمانی کتابوں اور انبیاءؑ ومرسلین کے ذریعے کانوں نے سنیں تو انہوں نے ان دلائل اور ان باتوں کو دل (یعنی دماغ) تک پہنچایا۔ دل نے اپنے اندر موجود عقل ومنطق کے ذریعے ان کا تجزیہ کیا اور ان حقائق کی تصدیق کی....

(ہندی طبیب امامؑ کی باتیں حق دق ہو کر سنتا رہا تھا۔ اب امامؑ نے وقفہ دیا تو اسے بولنے کی جرأت ہوئی۔)

حواس (Senses) خود محسوس نہیں کر سکتے

اس نے کہا: حضرت آپ نے تو (آج) ایسی ایسی لطیف باتیں مجھ سے بیان فرمائی ہیں کہ سوائے آپ کے اور کسی نے ایسے اسرار و حقائق مجھ سے کبھی بیان نہیں کیے تھے۔ لیکن اپنے خیال کے چھوڑنے سے مجھے کوئی بات نہیں روکتی سوائے اس کے کہ آپ نے جو باتیں مجھ سے بیان فرمائی ہیں، اس کی مضبوط دلیل دیجئے اور ان کی مزید وضاحت فرمایئے۔

میں نے کہا: اچھا اب جبکہ تم جواب نہیں دے سکتے اور تمہاری گفتگو مختلف ہوگئی (یعنی اب تم آئیں بائیں شائیں کرنے لگے ہو) تو خیر (انشاء اللہ) بہت جلد تمہارا ہی دل تمہیں وہ باتیں بتائے گا جن سے ثابت ہوجائے گا کہ حواس بغیر دل کے کسی چیز کو محسوس نہیں کر سکتے۔ (ہندی حکیم کا اصرار تھا جو چیز ان پانچ حواسوں سے معلوم نہ ہو سکے وہ کوئی وجود نہیں رکھتی)۔
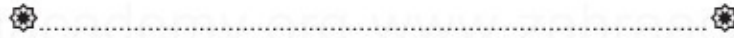
نوٹ: میڈیکل سائنس کے مطابق آنکھ، ناک، زبان، کانوں اور جلد اپنی حاصل کردہ معلومات دماغ کو ارسال کرتے ہیں۔ دماغ ان معلومات کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے کہ یہ شئے یا حالت کیا ہے؟
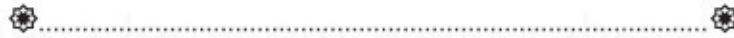
خوابوں کے اَسرار

میں نے کہا: اچھا ایک بات بتاؤ تم نے کبھی خواب میں یہ بھی دیکھا کہ کچھ کھا پی رہے ہو اور تمہیں اس کی پوری لذّت محسوس ہوئی؟

اس نے کہا: جی ہاں، بالکل۔

نوٹ: انسان جب خواب کے عالم میں خود کو کچھ کھاتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کا ذائقہ اور لذّت بھی محسوس کرتا ہے اگر چہ اس وقت اس کا منہ بند ہوتا ہے اور اس میں کوئی غذا موجود نہیں ہوتی۔

میں نے کہا: تم نے (خواب میں) یہ بھی دیکھا ہے کہ ہنس رہے ہو، رو رہے ہو یا ایسے ایسے شہروں (اور مقامات) کی سیر کر رہے ہو، جنہیں تم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یا کبھی دیکھا تھا، پھر خواب میں دیکھا تو ان کی تمام علامتوں کو پہچان لیا اور تمہیں نیند ہی کے عالم میں یاد آ گیا کہ یہ فلاں مقام یا شہر ہے۔

اس نے کہا: ہاں میں نے تو ایسے بے شمار خواب دیکھے ہیں۔

میں نے کہا: اچھا تم نے اپنے رشتے داروں میں سے اپنے کسی بھائی، باپ یا اور کسی رشتہ دار کو بھی خواب میں دیکھا ہے جو انتقال کر چکا ہو، اور پھر جس طرح تم اسے مرنے سے پہلے پہچانتے تھے اسی طرح اس کو ٹھیک طرح پہچان لیا ہو۔

اس نے کہا: اکثر و بیشتر۔

خواب میں کون سے حواسوں (Senses) نے یہ کام کیا؟

میں نے کہا: تو اب یہ بتاؤ کہ خواب میں تمہارے کون سے حواس نے ان چیزوں کو محسوس کر کے دل کو بتایا کہ وہ مُردوں کو اور ان کی گفتگو کرنے، کھانا کھانے، شہروں میں جانے اور ہنسنے، رونے وغیرہ کو اچھی طرح جان سکے؟ (جب کہ نیند کی حالت میں پانچوں حواس معطل ہوتے ہیں)۔

اس نے کہا: میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے کس حاسّے نے ان سب باتوں کو یا ان میں سے

بعض کو محسوس کیا اور وہ محسوس ہی کس طرح کر سکتے ہیں کہ اس وقت تو وہ مُردے کی طرح ہوتے ہیں۔

خواب سے جاگے تو خواب یاد رہا؟

میں نے کہا: اچھا! مجھے یہ بتاؤ کہ جب تم نیند سے جاگے تو کیا تمہیں وہ باتیں یاد نہیں آئیں جنہیں تم نے خواب میں دیکھا تھا؟ پھر یاد رکھ کر تم نے ان باتوں کو اپنے بھائیوں (گھر والوں یا دوستوں) سے بیان کیا اور اس میں سے ایک حرف بھی نہ بھولے؟

اس نے کہا: ایسا ہی ہے، جیسا آپ فرماتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات یہ بھی ہوا کہ میں نے خواب میں ایک چیز کو دیکھا، پھر شام نہ ہونے پائی تھی کہ اسے بیداری کی حالت میں ویسا ہی دیکھا، جیسا خواب میں دیکھا تھا۔

میں نے کہا: اچھا! اب مجھے تو بتاؤ کہ تمہارے کس حواس نے اس کا علم تمہارے دل میں قائم کیا کہ جاگنے کے بعد بھی تم نے اسے یاد رکھا۔

اس نے کہا: اس میں تو حواسوں (حواس) کا کوئی بھی کردار نہیں۔

میں نے کہا: تو کیا تم اب بھی نہیں سمجھے کہ جب تمہارے حاسے (Senses)، ان مواقعِ پر بالکل معطل تھے تو ان چیزوں کو جس نے دیکھا اور خواب میں یاد کر لیا وہ تمہارا وہی دل (دماغ) ہے جس کے اندر عقل رکھی گئی ہے جس کے ذریعے سے خدائے تعالیٰ نے بندوں پر اپنی حجت تمام کی ہے۔

خواب اور سراب میں فرق ہے

اس نے کہا: میں نے جو خواب دیکھا وہ کوئی چیز نہیں تھا۔ خواب تو ایک سراب کی مانند ہوتے ہیں سراب کو جب کوئی دیکھنے والا دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یقیناً یہ پانی ہے مگر جب وہاں پہنچتا ہے

تو وہاں پانی کا نشان تک نہیں پاتا،تو جو کچھ بھی میں نے خواب میں دیکھا ہے اس کی یہی مثال ہے۔

میں نے کہا: تم نے سراب اور خواب میں خود کو میٹھا یا کھٹّا کھانا کھاتے ہوئے دیکھنے اور خوشی یا غم محسوس کرنے کو (جو خواب میں دیکھا تھا) ایک جیسا کس طرح کہہ دیا؟

اس نے کہا: اس سبب سے کہ جب میں سراب کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔اسی طرح جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا، جب میں نیند سے جاگا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

نوٹ: ہندی طبیب اگرچہ قطعی لا جواب ہو چکا تھا لیکن پھر بھی وہ ادھر ادھر بھٹک رہا تھا۔اب اس نے ایک بالکل ہی عجیب بات کہی کہ خواب تو سراب کی طرح ہوتے ہیں لیکن امامؑ نے اس کی بات کو ایک بالکل سامنے کی دلیل سے رد کر دیا۔

ایک عجیب مثال

میں نے کہا: اب اگر تمہارے سامنے کوئی ایسی مثال پیش کروں جس کی لذت تمہیں خواب کے عالم میں ملی ہو اور اس سے تمہارا دل بے چین ہوا ہو تو کیا تم پھر بھی یقین نہیں کرو گے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہی درست ہے۔(یعنی کسی چیز کا ادراک دل (یا دماغ) کرتا ہے نہ کہ آنکھ، ناک، کان، زبان یا جلد)

اس نے کہا: ضرور یقین کر لوں گا۔

میں نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کہ کبھی خواب میں تم کو احتلام بھی ہوا ہے اور کسی آشنا یا نا آشنا عورت سے تم نے خواب کے عالم میں اپنی خواہش پوری کی ہے۔

اس نے کہا: ایسا تو اکثر ہوتا ہے۔

میں نے کہا: تو کیا تم کو اتنی ہی لذت نہیں ملی جتنی جاگنے کی حالت میں ملتی ہے۔یہاں تک

کہ تم سے اسی قدر (مادہ منویہ) خارج ہوا، جتنا جاگنے کی حالت میں خارج ہوتا ہے... اب بتاؤ یہ بات تو تمہاری والی دلیل کو توڑنے کے لئے کافی ہے۔ (کیونکہ سراب کا تو واقعی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ جب پاس جا کر دیکھو تو ریت ہی ریت ہے پانی کا نام نہیں لیکن یہاں تو خواب کا اثر لباس پر موجود ہے)۔

اس نے کہا: محتلم تو خواب میں صرف وہی دیکھتا ہے جسے اس کے حاسّوں (Senses) نے بیداری کی حالت میں دیکھا تھا۔

میری دلیل مضبوط ہوگئی

میں نے کہا: تم نے میری دلیل کو مضبوط کر دیا اس طرح میری دلیل مزید مضبوط ہوگئی یعنی تم نے مان لیا کہ حواسوں کے معطّل (اور بے ادراک و بے احساس) ہوجانے پر بھی دل تمام چیزوں کو سمجھتا اور جانتا، پہچانتا ہے تو پھر تم نے کیسے کہہ دیا تھا کہ دل بیداری اور مکمل ہوش و حواس کی حالت میں تمام چیزوں کو معلوم نہیں کر سکتا ہے۔ (یعنی پہلے تو تم کہہ رہے تھے کہ اصل چیز حواس ہیں۔ حواس اگر کسی چیز کا ادراک نہ کریں تو میں اسے نہیں مانوں گا۔)

حواس تو معطل تھے

اب مجھے بتاؤ کہ حواسوں کے معطل ہوجانے پر کس نے دل کو یہ چیزیں بتائیں، حالانکہ دل نہ سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ تمہیں تو یہ مناسب تھا کہ حواسوں (Senses) کی موجودگی اور بیداری کی حالت میں دل کی معرفت کا انکار نہ کرتے جبکہ تم نے یہ اقرار کر لیا کہ وہ یعنی تمہارا دل حواسوں کے معطل ہونے کے بعد بھی کسی عورت کو خواب میں دیکھتا اور اس سے مباشرت کرتا اور اس کی لذت حاصل کرتا ہے۔

جب یہ مان گئے تو یہ بھی مانو

پس ایک عقلمند آدمی کے لئے جو یہ کہتا ہو کہ حواسوں کے معطل ہوجانے کے بعد بھی دل اشیا کا ادراک کرتا ہے، ضروری ہے کہ وہ یہ بھی جانے کہ دل (یا دماغ) ہی حواسوں کا مدبّر، ان کا بادشاہ، راس ورئیس اوران کا حاکم ہے۔ آدمی کیسا ہی جاہل ہومگر اس بات سے ہرگز ناواقف نہیں ہوسکتا کہ ہاتھ اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ دل یا دماغ کے حکم کے بغیر آنکھ کو نکالے یا زبان کو کاٹ ڈالے۔

حواس کوئی سا بھی اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ کسی جز وبدن کے ساتھ کوئی کام دل کی اجازت، ہدایت اور تدبیر کے بغیر سرانجام دے سکے۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے دل (یعنی دماغ) کو بدن کا مدبر (ایڈمنسٹریٹر) بنایا ہے۔

فیصلہ دل (دماغ) کرتا ہے

انسان اسی کے ذریعے سنتا اور اسی کے ذریعے دیکھتا ہے۔ وہی اس کے بدن کا حاکم اور امیر ہے۔ اگر دل پیچھے ہٹنا چاہے تو بدن آگے نہیں بڑھ سکتا اور اگر دل آگے بڑھنا چاہے تو کوئی عضو آگے نہیں بڑھ سکتا۔ حواس، اس دل (یعنی دماغ) کے ذریعے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اس کا حکم مانتے ہیں۔ وہ اگر کسی چیز سے منع کرے تو باز رہتے ہیں۔ خوشی اور غم، دل (دماغ) ہی تک پہنچتے ہیں۔ اسی پر تکلیف وارد ہوتی ہے۔ (یعنی وہی تکلیف کے اثر کو بتاتا ہے) اگر حواسوں میں سے کوئی حاسّہ (مثلاً آنکھ، کان وغیرہ) بیکار ہوجائے، تب بھی دل (یعنی دماغ) اپنا کام کرتا رہتا ہے۔

تم نے کبھی کوئی منصوبہ بنایا ہے؟

اس کے برعکس اگر دل (یعنی دماغ) میں کوئی خرابی پیدا ہوجائے تو سارے حواس

بیکار ہو جاتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔

اس نے کہا: میں تو سمجھتا تھا کہ آپ اس مسئلے سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے۔ لیکن آپ نے تو ایسی ایسی باتیں بیان فرمائیں کہ میں انھیں رد کر ہی نہیں سکتا۔

میں نے کہا: اب میں تمہیں اسی جگہ بیٹھے بیٹھے ان تمام باتوں کی تصدیق کراتا ہوں جو میں نے تم سے بیان کی ہیں اور جو کچھ خواب کے بارے میں بات ہوئی ہے۔

خیال کہاں سے آیا؟

اس نے کہا: آپ ضرور رہنمائی فرمائیں میں تو اس مسئلے میں ششدر رہ گیا ہوں۔

میں نے کہا: اچھا بتاؤ کہ کبھی تم اپنے دل میں کسی تجارت یا پیشے یا تعمیرِ مکان یا کسی چیز کے بنانے کا تصور کرتے ہو اور جب اس کا اندازہ اپنے خیال میں پختہ کر لیتے ہو تو اس کام کا آغاز کرتے ہو؟

نوٹ: کسی بھی نئے کام کو کرنے کے لیے پہلے دماغ میں ایک خیال آتا ہے پھر دماغ اس کی تفصیلات طے کرنے لگتا ہے۔ اس کے بعد عمل کا مرحلہ آتا ہے مثلاً مکان کا نقشہ، مصوری کے حوالے سے تصویر کی جزیات، رنگ، سائز وغیرہ اسی طرح ہر نئی ایجاد، ابتداء میں ایک خیال ہوتی ہے جو دماغ میں آتا ہے پھر ایک مدت کے بعد وہ ایجاد ہمارے سامنے آتی ہے۔

اس نے کہا: جی ہاں۔

میں نے کہا: تو کیا اس کام میں تم نے اپنے کسی حواس (آنکھ، ناک، کان، زبان یا جلد) کو بھی دل (دماغ) کا شریک بنایا تھا؟ (یعنی جو خیال تمہارے دماغ میں آیا وہ کس حاسے

کے ذریعے آیا!)

اس نے کہا: بالکل نہیں۔(یعنی کسی حاسّے کے ذریعے نہیں)

میں نے کہا: کیا تم جانتے نہیں کہ تمہارا دل جو کچھ کہتا ہے وہی ٹھیک ہوتا ہے۔

اس نے کہا: یقین تو یہی ہے (کہ جو دل بتائے وہی درست ہے) اب آپ کچھ اور بیان فرمایئے جس سے میرا دل مطمئن ہو جائے اور شک وشبہ میرے دل سے نکل سکے۔

❁...❁

نوٹ: ہندی طبیب نے ان حقائق کو تسلیم کر لیا تو امامؑ نے اسے دوسرے موضوع کی طرف متوجہ فرمایا۔

❁...❁

علم نجوم انسانوں نے کیسے معلوم کیا؟

یہاں سے اثبات وجود خدا کے حوالے سے دلائل کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو رہا ہے جنہیں پڑھ کر ان لوگوں کی عقلیں ششدر رہ جائیں گی۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے سارے علوم مثلاً کھیتی باڑی، علم نجوم، جڑی بوٹیوں کے ذریعے علاج معالجے جیسے سارے علوم انسان نے اپنے تجربے اور عقل سے حاصل کیے ہیں۔ سائنس کی کتابوں میں ان علوم کے بارے میں ہم یہی پڑھتے ہیں کہ انسانوں نے یہ سارے علم بار بار کے تجربات سے حاصل کیے ہیں۔ اگرچہ حقیقت اس کے برعکس ہے جس کی تفصیل آپ آئندہ صفحات پر ملاحظہ کریں گے۔

❁...❁

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اچھا! یہ بتاؤ کہ تمہارے ملک والے علم نجوم کو جانتے ہیں؟

اس نے کہا: آپ کو میرے اہل ملک کے علم نجوم جاننے کا حال معلوم نہیں ہے (دنیا

میں) کوئی بھی ایسا نہیں جو اُن سے زیادہ اس علم کو جانتا ہو۔

میں نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کہ انہیں نجوم کا علم کس طرح حاصل ہوا۔ حالانکہ ان (نجوم) کا علم نہ حاسّوں سے محسوس ہوتا ہے نہ فکر و غور سے معلوم ہوتا ہے۔

اس نے کہا: حکماء نے ایک حساب بنالیا ہے اور اسی کے مطابق بعد والے حقائق کو معلوم کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان سے کوئی بات دریافت کرتا ہے تو وہ آفتاب کا اندازہ لگاتے ہیں۔ آفتاب و ماہتاب کی منزلوں کو دیکھتے ہیں اور یہ کہ کون سا طالع ستارہ نحس ہے اور کون سا مخفی ستارہ سعد ہے۔ پھر حساب کر لیتے ہیں اور اس میں غلطی نہیں ہوتی۔ لوگ اپنے بچوں کو اس (منجم) کے پاس لاتے ہیں اور وہ اس کا حساب لگاتا ہے (یعنی اس کی جنم پتری یا کنڈلی یا زائچہ بناتا ہے) پھر جو جو باتیں اس میں ہوتی ہیں اور وہ مرنے کے وقت تک جن جن حادثات و واقعات سے گزرنے والا ہوتا ہے (منجم) وہ سب (کچھ تاریخ وار) بتا دیتا ہے۔

میں نے کہا: اس حسابِ (یعنی علمِ نجوم) کا آدمیوں کے بچوں سے کیا تعلق؟

(اس مقام پر امامؑ عمداً تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہے ہیں تاکہ آیندہ کی گفتگو میں اس کے اقرار سے کام لیں۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حضرتؑ کو واقعی یہ بات معلوم نہ تھی۔)

کیا ہر آدمی اس علم کو جانتے ہوئے پیدا ہوتا ہے؟

اس نے کہا: اس سبب سے کہ تمام آدمی ستاروں کے مطابق پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ حساب ہی درست نہ ہو۔ اسی وجہ سے جب وہ منجم ساعت، دن، مہینا اور سال جس میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے شمار کر لیتا ہے تو اس کے حساب میں غلطی نہیں ہوتی۔

میں نے کہا: اگر یہ علم سچا ہو تو واقعی ایک عجیب علم ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا جس سے

باریک تر اور زیادہ قابل عظمت کوئی علم نہیں۔جس سے پیدا ہونے والا بچہ اور جو کچھ اس کی زندگی کے آغاز سے انجام تک واقع ہوتا وہ سب معلوم ہو جاتا ہے۔اچھا یہ بتاؤ کیا یہ حساب ایسا نہیں کہ تمام دنیا کے آدمی اسے جانتے ہوئے پیدا ہوئے ہوں؟

(یعنی کیا یہ ممکن ہے یہ علم نجوم انسان کی فطرت میں شامل ہو جیسے کہ دیکھنا، سننا، بولنا یا غذا کو ہضم کرنا۔)

اس نے کہا: یہ کس طرح ممکن ہے............ مجھے تو اس میں کوئی شبہہ نہیں (بلکہ یقین ہے کہ لوگ اس علم کو جانتے ہوئے پیدا نہیں ہوتے)

میں نے کہا: اچھا، آؤ ہم اور تم اپنی عقلوں سے غور کریں کہ اس علم کو لوگوں نے کس طرح جانا، اور کیا یہ بات درست ہے کہ ساری دنیا میں صرف کچھ ہی لوگ اس علم کے عالم ہوں۔ جب کہ سب آدمی انھی ستاروں کے زیر اثر پیدا ہوتے ہوں؟

زمین پر رہتے ہوئے ستاروں کا حال کیسے معلوم کیا؟

اور ہم یہ بھی غور کریں کہ بعض ہی آدمیوں نے سہی، اس علم کے ذریعے ستاروں کے سعد و نحس ساعات و اوقات، باریکیاں اور درجے، سست و تیز رفتار کو اور ان (ستاروں اور برجوں) کے وہ مقامات جو آسمان پر ہیں اور وہ مقامات جو زمین کے نیچے ہیں اور جنھیں یہ نجومی باریک باتوں کے بتانے یعنی پیش گوئی کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جنھیں تم بیان کر چکے ہو.... ان سب مقامات کو نجومیوں نے کس طرح جانا؟

سوال یہ ہے کہ (کچھ سیارے یا ستارے) زمین کے اوپر ہیں اور کچھ زمین کے نیچے ہیں تو ان نجومیوں نے خود زمین پر رہتے ہوئے آسمانوں کا حال کس طرح معلوم کیا؟

تمہیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ ان بروج میں سے کچھ تو اوپر ہیں اور کچھ نیچے ہیں۔

نوٹ: چھ برج تو ستاروں کے جھرمٹوں اور خود نظام شمسی کے ستارے سورج اور سیاروں کے درمیان لاکھوں کروڑوں میل کا فاصلہ ہوتا ہے۔ زمین سے جو آسمان ہمیں نظر آتا ہے، ماہرین فلکیات کے مطابق اس پورے آسمان کے 12 حصے ہیں یہ بارہ حصے دراصل 12 برج ہیں جو ستاروں کے مختلف جھرمٹوں سے تشکیل پاتے ہیں۔ ان کے نیچے نظام شمسی کے سیارے مثلاً حمل، ثور، عطارد، مشتری وغیرہ ہیں برجوں کی حرکت اور نظام شمسی کے سیارون کی حرکات میں ایک خاص ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور اس سے ان کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

چھ برج اوپر رہتے ہیں اور چھ نیچے، آسمان چونکہ زمین کے ہر طرف موجود ہے اس لیے ہم ایک وقت میں آسمان کا نصف حصہ ہی دیکھ سکتے ہیں۔ جس قدر بالائی حصہ زمین کے سامنے سے جاتا رہتا ہے اتنا ہی نیچے والا حصہ اوپر آتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے تمام رات برجوں کو دیکھتے رہنے سے صرف چھ ہی برج نظر آسکتے ہیں۔ باقی برج دن میں اوپر آتے ہیں وہ آفتاب کی روشنی کی وجہ سے ہمیں نظر نہیں آتے۔ انہیں رصد گاہوں کے ذریعے دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ساتوں ستارے (سبعہ سیارات) بھی بعض زمین کے اوپر آسمان پر نظر آتے ہیں اور بعض زمین کے دوسرے کرّے پر ہوتے ہیں مگر رہتے آسمان پر ہی ہیں۔ علمِ نجوم کے مطابق سورج (شمس اور قمر چاند) بھی سیاروں میں شامل ہیں۔

(Cool cosmos Caltec University,California)

ستارے اس حکیم (ماہر علم نجوم) سے پہلے موجود ہوں گے

اس نے کہا: میری عقل تو اسے تسلیم نہیں کرتی کہ روئے زمین کے آدمیوں میں سے کوئی اس پر قادر ہوا ہو (کہ تمام ظاہر و پوشیدہ ستاروں کی حقیقت معلوم کر سکے اور ان کا حساب نکالے)۔

میں نے کہا: تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تمام اہل زمین انھی ستاروں کے حساب سے پیدا ہوتے ہیں (اگر تمہارا یہ بیان صحیح ہے کہ کسی حکیم نے اس علم کو بنایا ہے) تو وہ حکیم جس نے اس حساب کو قائم کیا ہے، انھی اہل دنیا میں سے کوئی ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی انہیں ستاروں کے اثرات کے تحت پیدا ہوا ہوگا جیسے اور تمام لوگ پیدا ہوتے ہیں۔

اس نے کہا: ہاں۔ آخر یہ حکیم بھی تو انسان ہی ہے (لہٰذا ضروری ہے کہ جس طرح علم نجوم کے حساب سے اور لوگ پیدا ہوئے ہیں یہ بھی اسی کے تحت پیدا ہوا ہوگا)

میں نے کہا: تو کیا یہ بات تمہاری عقل میں آتی ہے کہ یہ ستارے اس حکیم کے پیدا ہونے سے پہلے موجود ہوں گے جس کی بابت تم نے کہا ہے کہ اس نے اس علم کو ایجاد کیا ہے اور یہ بھی تمہارا خیال ہے کہ وہ بھی انہی ستاروں کے مطابق پیدا ہوا ہے۔

اس نے کہا: بیشک (ایسا ہی ہے کہ یہ ستارے اس کے وجود سے پہلے موجود ہوں گے)۔

ستاروں اور حکیم (نجومی) سے پہلے کسی معلّم کا ہونا ضروری ہے

میں نے کہا: تو ایسے میں ضروری ہوگا کہ کوئی معلم ان ستاروں اور حکیم (نجومی) سے بھی پہلے موجود ہو جس نے ستاروں کا حساب قائم کیا ہے اور جس کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ پیدا ہونے والے کی وہی جڑ اور بنیاد (یہی ستارے) ہیں۔ اور جڑ ضروری ہے کہ مولود سے مقدم ہو۔ (جیسے کہ پھل سے پہلے درخت کا ہونا ضروری ہے)

جس حکیم کی بابت تمہارا دعویٰ ہے کہ اس نے اس علم کو قائم کیا، وہ ضرور کسی ایسے معلم کی پیروی کرتا ہوگا جو اس سے بھی پہلے موجود رہا ہو اور جس نے اس حکیم کو بھی ان ستاروں میں سے کسی کے مطابق پیدا کیا ہو، اور اسی نے دوسرے برجوں کو بنایا ہوگا اور اسی نے ان برجوں کو بھی بنایا ہوگا جن کے مطابق (دوسرے) آدمی پیدا ہوتے ہیں۔

اسے معلوم ہوا تمہیں کیوں معلوم نہ ہوا؟

مختصراً یہ کہ علم نجوم کی بنیاد قائم کرنے والے (حکیم، معلم، ماہر علم نجوم) کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان ستاروں سے بھی پہلے موجود ہو۔

اچھا چلو فرض کر لیتے ہیں کہ اس حکیم (یعنی ماہر علم نجوم) کی عمر اس دنیا سے دس گنا زیادہ ہے ایسی صورت میں بھی وہ ان ستاروں کو اسی طرح (آسمان میں) معلّق دیکھتا ہوگا، جیسے آج تم دیکھ رہے ہو۔ (پھر تم میں اور اس حکیم میں کیا فرق ہوا؟ اسے یہ حساب کیوں معلوم ہوا اور تمہیں کیوں نہیں معلوم ہوا)۔

کیا وہ ماہر علم نجوم اس بات کی طاقت رکھتا تھا؟

کیا وہ حکیم اس بات پر قادر تھا کہ وہ آسمان کی بلندیوں پر موجود ان ستاروں کے قریب جائے (اور ان کی حقیقت و کیفیت معلوم کرے) تا کہ ان کی، رفتار، نحس، سعد اور ان کے درجے اور منازل کو معلوم کرے۔ اور یہ کہ کس ستارے یا سیارے کے سبب سورج یا چاند کو گہن لگتا ہے؟ کس کے مطابق بچے پیدا ہوتے ہیں؟ کون سا نیک ہے؟ کون سا ستارہ نحس ہے؟ کون سا ستارہ تیز رفتار ہے؟ کون سست رفتار ہے؟ تا کہ اس کے بعد دن کی نیک گھڑیاں اور نحس ساعتیں معلوم کر سکے۔

اور یہ کہ ہر ستارہ کتنی دیر زمین کے نیچے رہتا ہے؟ کس ساعت میں غروب ہوتا ہے؟ کس وقت طلوع ہوتا ہے؟ کتنی دیر تک طالع رہتا ہے؟ اور کتنی دیر تک غائب رہتا ہے؟

نوٹ: ستارے اور فاصلے

(۱) زمین سے معلوم کائنات کی آخری حد 46 ارب نوری سال کے فاصلہ پر واقع ہے اور ایک نوری سال 9.5000000000000 کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے جبکہ کائنات کی چوڑائی اس سے دوگنا زیادہ ہے۔

(۲) زمین سے سورج کا فاصلہ 93000000 کلومیٹر ہے۔

(۳) زمین سے قریب ترین سیارے عطارد (Mercury) کا فاصلہ 77 ملین (1 ملین = 10 لاکھ) کلومیٹر ہے۔

(۴) زمین اور چاند کا درمیانی فاسلہ 38400 کلومیٹر ہے۔

(۵) نظام شمسی جس میں سورج سمیت 9 سیارے ہیں، اس کا مجموعی حجم 5.7 ارب کلومیٹر ہے۔

(حوالہ: Cool Cosmose Caltech University California and Wikipedia)

زمین پر رہتے ہوئے اس نے کس طرح معلوم کیا؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اہل دنیا میں سے کسی حکیم کے لئے یہ کس طرح ممکن ہوا کہ آسمان کی ان باتوں (اور تفصیلات) کو جان لے، جب کہ حِس (وحواس) سے ان کا علم نہیں ہوتا اور غور وفکر اس معاملے

میں کام نہیں کرتی۔ نہ یہ حیران کن باتیں کسی کے وہم وگمان میں آسکتیں ہیں۔

اس حکیم (نجومی) کو آفتاب کے بارے میں وہ طریقہ کیسے معلوم ہوا، جس سے وہ جان سکے کہ کس وقت آفتاب کس برج میں ہوتا ہے۔ کس وقت چاند کون سے برج میں جاتا ہے؟ یہ ساتوں سعد ونحس ستارے آسمان کے کس حصے پر واقع ہیں؟ طالع کیا ہے، باطن (غائب) کیا چیز ہے؟ ایسی صورت میں جب کہ یہ سب ستارے آسمان پر ہیں اور وہ حکیم زمین پر ہے۔

(تم جانتے ہو کہ) آفتاب کی روشنی سے یہ ستارے غروب (پوشیدہ) ہو جاتے ہیں تو انہیں کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ تم دعویٰ کرو کہ یہ حکیم (ماہر علم نجوم) جس نے علم نجوم کے قواعد بنائے ہیں آسمان پر چڑھ گیا ہوگا۔ حالانکہ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ (حکیم) اس علم پر قادر نہ ہوا ہوگا، مگر (اسے اس علم کے بارے میں سارا علم) اس شخص کے ذریعے سے (حاصل ہوا ہوگا) جو آسمان ہی پر ہو۔ کیونکہ یہ علم زمین والوں کا علم نہیں ہے۔

اس نے کہا: میں نے تو آج تک نہیں سنا کہ اہل زمین میں سے کوئی شخص آسمان پر چڑھا ہو۔

میں نے کہا: شاید اس حکیم نے ایسا کیا ہو، مگر تمھیں خبر نہ ملی ہو۔

اس نے کہا: اگر یہ خبر مجھے مل بھی جاتی تو اس پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا تھا۔

کیا وہ ہر ستارے کے قریب گیا؟

میں نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں جو تم کہتے ہو۔ لیکن فرض کرلو کہ وہ آسمان پر بھی چڑھ گیا۔ مگر (ستاروں کے بارے میں) اتنی تفصیلات جاننے کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ہر ہر برج کے ساتھ ساتھ اور ہر ہر ستارے (اور سیارے) کے ساتھ ساتھ چلتا رہا ہو۔ وہ ان مقامات پر بھی گیا جہاں سے یہ ستارہ یا سیارہ طلوع کرتا اور جہاں غروب کرتا ہے۔ پھر وہ (بروج کے) دوسرے ستارے کے پاس آیا ہو اور وہاں بھی اس نے ایسا ہی کیا ہو۔ یہاں تک کہ آخری

ستارے تک پہنچا ہو۔

نوٹ: ہمارے سورج کے قریب ترین ستارہ اتنی دور ہے کہ سورج کی روشنی اس ستارے تک چار مہینے سے زیادہ عرصے میں پہنچتی ہے جب کہ یہ کی روشنی زمین تک تقریباً آٹھ منٹ اور بیس سیکنڈ میں پہنچ جاتی ہے۔

(حوالہ: How Universe Works)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

بعض ستارے کیوں کہ تیس برس میں اپنا ایک دور مکمل کرتے ہیں۔ بعض اس سے کم مدت میں، تو ضروری ہوگا کہ وہ حکیم اتنے اتنے عرصے تک ہر ہر ستارے کے ساتھ ساتھ رہا ہو (تا کہ ان کی مدت، رفتار وطلوع وغروب وسعد ونحس کو معلوم کر سکے)

اب تم ہی بتاؤ کہ کیا اس حکیم کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ ہوسکتا تھا کہ وہ آسمان کے چاروں طرف گھومتا رہے تا کہ اسے سعد ونحس سست رفتار وتیز رفتار ستاروں کے طلوع ہونے کے مقامات معلوم ہوسکیں اور وہ ان کا حساب مرتب کر سکے۔

مان لو کہ وہ اس پر بھی قادر ہوگیا (کہ وہ آسمان پر بھی چڑھ گیا۔ ہر ہر ستارے کے آسمان پر سفر کے سارے عرصے کے دوران وہ حکیم بھی ستارے کے ساتھ ساتھ رہا۔ اس نے ہر ایک کا طلوع وغروب بھی معلوم کرلیا) یہاں تک کہ آسمان کے سامنے والے حصے کی تمام چیزیں معلوم کر کے فارغ ہوگیا۔

زمین کے دوسرے کرّ ے کے ستاروں اور سیاروں کا مشاہدہ

تواس کے باوجود کیا اس کا سارا حسابِ آسمانی ٹھیک ہوسکتا ہے جب تک کہ وہ زمین کے اوراس کے نیچے والے (یعنی زمین کے دوسرے کُرے میں موجود) ستاروں اور سیاروں کا بھی حساب نہ لگائے اور اتنی ہی مدت میں اسے بھی تفصیل سے معلوم کرے جتنے دنوں میں اس نے آسمان کے اس کرّ ے کی چیزوں کو معلوم کیا تھا کیونکہ ان سیاروں کی رفتار زیر زمین کچھ اور ہے اور بالائے زمین (والوں کی) کچھ اور ہے۔

تو وہ ہرگز ان کے حساب و گہرائی اور ساعات کے بہ خوبی معلوم کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا تھا جب تک کہ ان ستاروں کی حالتوں کو بھی نہ معلوم کرے جو زمین کے نیچے (یعنی زمین کے دوسرے کرے کے سامنے آسمان پر موجود) ہیں کیونکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ جانے کہ رات کی کس ساعت میں کوئی طلوع ہونے والا ستارہ غروب ہوتا ہے۔

(اور یہ ضرورت اس لئے پڑے گی کہ وہ ان ستاروں کو (جو زیر زمین ہیں) آنکھ سے نہیں دیکھتا، اور نہ ان کے طلوع وغروب کو۔ لہٰذا لازم ہوا کہ اس نے آسمان کے بالائی حصے پر جس قدر وقت صرف کیا ہے اتنے ہی دنوں زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے والے ستاروں پر بھی تحقیق کرتا رہے)۔

ضروری ہے کہ تحقیق کرنے والا ایک ہی ہو

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس علم (کے بارے میں اتنی لمبی تحقیق وتجربہ کرنے والا) کا جاننے والا ایک ہی ہو۔ تا کہ حساب سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ اگر کئی ہوں گے تو اُن کے حساب میں اختلاف ہوگا۔

یہ الگ بات کہ تم کہو کہ جناب! وہ حکیم تو زمین کی ظلمتوں اور دریاؤں کے اندر بھی ہو

آیا، ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کے ساتھ ساتھ ان کی رفتار کے ساتھ سفر کیا جتنے دنوں وہ آسمان پر چلتے رہے اتنے ہی دنوں (وہ حکیم وہاں) رہ بھی آیا، یہاں تک کہ اسے غائب ستاروں اور زمین کے نیچے والوں (ستاروں) کا حال اسی طرح معلوم ہوگیا۔ جس طرح اتنی مدت صرف کر کے اُس نے اوپر کے ستاروں کا حال معلوم کیا تھا۔

ایسا کس طرح ممکن ہے؟

اس نے کہا: میں نے یہ کب کہا تھا کہ کوئی شخص آسمان پر چڑھ سکتا ہے۔...... کہ یہ بھی کہہ دوں کہ وہ زمین اور دریاؤں کی تاریکیوں میں بھی داخل ہوا ہوگا۔ (ایک انسان کے لیے ایسا کس طرح ممکن ہے!)

میں نے کہا: تو پھر (مجھے بتاؤ کہ) یہ علم کس طرح ان حکیموں کو دستیاب ہوا؟ جن کے بارے میں تم نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے علم نجوم کے اصول وقواعد کو وضع کیا ہے اور تمام آدمی اُسی کے مطابق پیدا ہوتے ہیں۔ انھیں یہ علم کس طرح حاصل ہوا حالانکہ یہ علم نجوم اور سیاروں (ستاروں) کے حساب (یا اثرات) ان سے پہلے بھی موجود تھے (تو اپنے وجود سے پہلے کے حالات، اول سے آخر تک انھیں کس طرح معلوم ہوگئے۔

اس نے کہا: میرے نزدیک تو اب یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ ان آسمانی ستاروں کے علم (یعنی علم نجوم) کو زمین کے رہنے والوں نے وضع کیا ہے۔

اس علم کو زمین وآسمان کے مدبر و منتظم نے پیدا کیا ہے

میں نے کہا: تو اب تمہیں یہ ماننا چاہیے کہ اس علم کو کسی ایسے حکیم نے بنایا ہے جو آسمان وزمین کے حالات کو بخوبی جانتا ہو اور ان کا مدبّر و منتظم بھی ہو۔

اس نے کہا: اگر میں اس بات کو مان لوں تو پھر مجھے اس معبود کا اقرار ہی کر لینا پڑے گا جس کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ وہ آسمان پر ہے (یعنی آسمان وزمین کی بھی تدبیر کرنے والا ہے)۔

میں نے کہا: کیا تم مجھ سے یہ نہیں کہہ چکے ہو کہ نجوم کے قواعد بالکل صحیح ہیں اور تمام آدمی انھی کے ذریعے سے یعنی ان کے اثرات کے مطابق پیدا ہوتے ہیں (یا ہوئے ہیں۔)

شبہہ اس میں ہے کہ کوئی خالق ہے یا نہیں

اس نے کہا: شبہہ تو اور چیز میں ہے........... یعنی یہ تو ٹھیک ہے کہ علمِ نجوم کے قوائد بالکل صحیح ہیں البتہ شبہہ اس میں ہے کہ ان کا کوئی خالق ہے یا نہیں؟

میں نے کہا: تم مجھ سے یہ بھی کہہ چکے ہو کہ اہل زمین میں سے کوئی شخص ہرگز اس کام پر قادر نہیں ہوسکتا کہ ان ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کے ساتھ ساتھ مشرق سے طلوع ہو اور مغرب میں غروب کرتا رہا تا کہ ان کی رفتار کو معلوم کر سکے۔

میں نے کہا: تو پھر تمہیں اس بات کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس علم کا معلم کوئی آسمانی ہے (یعنی اس علم کو آسمان سے نازل کیا گیا ہے نہ کہ زمین والوں نے اسے تجربے سے بنایا)۔

یہ علم حواسوں سے معلوم نہیں ہوسکتا

اس نے کہا: میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔۔۔ اگر یہ کہہ دوں کہ اس کا علم کا کوئی معلّم نہیں تو بالکل خلافِ عقل بات ہوگی اور اگر یہ دعویٰ کروں کہ اہل زمین میں سے کسی نے آسمان اور زمین کے نیچے کی چیزوں کا علم پیدا کیا، تو یہ بھی محال ہے۔۔۔ اہل زمین ان ستاروں اور برجوں کے حال سے واقفیت پیدا کرنے، انھیں آنکھ سے دیکھ کر اور ان سے قریب ہو کر انھیں دیکھنے پر ہرگز قادر نہیں تو وہ اس کے علم کو حاصل کرنے پر کسی طرح بھی قادر نہیں ہو سکتے۔

میری رائے میں اہل زمین کو صرف حواسوں ہی کی مدد سے یہ علم حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ ستارے تو آسمان میں معلّق ہیں۔ حواس تو صرف ان کے طلوع وغروب کو دیکھ سکتے ہیں لیکن ان کے حساب، ان کے درجے، نحس وسعد وسست رفتار وتیز رفتار۔ اوران کا پوشیدہ ہوجانا اور پھر رجعت کرنا (واپس آنا) یہ بھلا حواسوں سے کہاں معلوم ہوسکتا ہے! قیاس واندازے سے بھی کسی انسان کوان کا علم کیوں کر ہوسکتا ہے!

آسمان والے سے سیکھنا پسند کروں گا

میں نے کہا: اچھا یہ بتاؤ مگر تم اس علم وحساب کو پڑھنا اور سیکھنا چاہو تو اہل زمین سے سیکھنا تمہیں زیادہ پسند ہوگا یا اہل آسمان سے۔

اس نے کہا: اہل آسمان سے، (اس کا سیکھنا پسند ہوگا کیونکہ یہ ستارے اسی میں معلّق ہیں) جہاں اہل زمین کا گزر تک نہیں ہے۔ (لہٰذا اگر کوئی آسمانی عالم مل جائے تو اس سے سیکھنا زیادہ پسند کروں گا)۔

میں نے کہا: اچھا تو سمجھو، اور خوب غور کرو اور اپنے دل کو خالص کرو...... کیا تم اس سے انکار کرسکتے ہو کہ جب تمام اہل دنیا انھی ستاروں کے ذریعے سے (ان کے اثرات کے مطابق) سعادت ونحوست میں پیدا ہوئے ہیں تو یہ ستارے اُن آدمیوں سے پہلے موجود ہوں گے۔

اس نے کہا: یہ ماننا اب مجھے دشوار نہیں ہے۔

ہمیشہ سے ہمیشہ رہنے والی بات توختم ہوگئی

میں نے کہا: تو تمہارا یہ کہنا کہ آدمی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، غلط ثابت ہوگیا۔ (اس نے ابتداء میں کہا تھا کہ ایک آدمی مرتا ہے تو دوسرا پیدا ہوجاتا ہے ایک درخت گرتا

ہے تو دوسرا پیدا ہو جاتا ہے۔یعنی یہ دنیا ہمیشہ سے اس طرح رہی ہے اور رہے گی)

اس لیے کہ یہ بات تم نے مان لی ہے کہ ستارے، ان آدمیوں سے پہلے موجود تھے۔اس کا مطلب یہ کہ آدمی (ہمیشہ سے نہیں تھے) یقیناً ان کے بعد پیدا ہوئے ہوں گے.....اسی طرح جب ستارے ان آدمیوں سے پہلے وجود میں آ چکے تھے تو زمین بھی ضرور ان سے پہلے موجود رہی ہوگی۔

اس نے کہا: حضرت! میں نے یہ نہیں کہا ہے، کہ زمین بھی ان سے پہلے موجود تھی۔ (ہاں یہ تو زبان سے نکل گیا کہ ستارے انسانوں سے پہلے سے موجود تھے)۔

میں نے کہا: تو کیا تم یہ نہیں جان سکتے کہ اگر زمین جسے اللہ نے اپنی مخلوقات کے واسطے فرش اور بچھونا بنایا ہے تو انسان اور غیر انسان، جو مخلوقات اس میں ہیں (وہ) کس پر قائم رہتیں وہ ہوا میں بھی قائم نہیں رہ سکتے تھے کہ ان سے پہلے زمین نہ ہوتی تو انسانوں کو ہوا ہے معلق رہنے کے لیے پروں کی ضرورت ہوتی۔

اس نے کہا: پر...... پر ہوتے بھی تو فائدہ ہی کیا دیتے جب کہ ان کے لئے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ نہ ہوتا۔

کیا تمہیں ابھی بھی شک ہے؟

میں نے کہا: تو کیا اب بھی تمہیں اس بات میں کوئی شک ہے کہ انسان... زمین، بُروج (اور ستاروں) کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

اس نے کہا: نہیں بلکہ اب مجھے اس کا یقین ہے (یعنی اب یقین ہو گیا کہ زمین و آسمان انسانوں سے پہلے پیدا ہوئے ہیں)

میں نے کہا: ذرا ٹھہرو۔اب میں تم سے مزید ایسی باتیں بیان کروں گا جن سے تمہاری

بصیرت میں اضافہ ہو۔

اس نے کہا: میرا شبہہ تو آپ کی انہی باتوں سے دور ہو گیا ہے۔

آسمان، ستاروں سے بھی پہلے موجود رہا ہو گا

میں نے کہا: تمہیں معلوم ہے ناں کہ یہ آفتاب و ماہتاب اور ستارے، سیارے جس پر گردش کرتے ہیں وہ آسمان ہے؟

اس نے کہا: بالکل معلوم ہے۔

میں نے کہا: تو کیا یہ (آسمان) ان ستاروں کی اصل و بنیاد نہیں ہے۔

اس نے کہا: بیشک ہے۔

میں نے کہا: تو میری رائے میں یہ ستارے جن کی نسبت تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ انسانوں کی ولادت کے اوقات ہیں (یعنی انسان ان کے اثرات کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں) اس آسمان کے بعد پیدا ہوئے ہوں گے، کیونکہ سارے بروج اسی آسمان کے اندر گردش کرتے ہیں۔ کبھی نیچے چلے جاتے ہیں کبھی اوپر آجاتے ہیں۔ (ایسا زمین کی محوری گردش کے سبب ہوتا ہے۔)

نوٹ: ستاروں کی بنیاد

آج کے سائنس دانوں کے مطابق کائنات میں ابتداء میں صرف ہائیڈروجن اور ہیلیم گیس کے بادل تھے۔ ان بادلوں میں کشش ثقل پیدا ہوئی جس کے سبب بادلوں کے مختلف حصے دبیز ہونے لگے اور ان کے درمیان کششِ ثقل کے سبب مختلف ستارے، سیارے کہکشائیں اور کہکشاؤں کے جھرمٹ پیدا ہوئے۔ آج سائنس

دان امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس سائنسی انکشاف کے مشاہداتی ثبوت حاصل کر چکے ہیں کہ ستاروں کی پیدائش کے مقامات یہ بیکراں آسمان میں ہیں۔

آسمان کیا ہے؟

سائنس دان اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ آسمان ستاروں سے پہلے موجود تھا۔ یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ہر سیارے یا ستارے کا اپنا الگ آسمان ہے۔ ہمارا زمینی آسمان دن کے وقت بعض اسباب سے نیلا نظر آتا ہے۔ دوسرے سیاروں اور ستاروں کے آسمان کسی اور طرح کے ہیں۔ واضح رہے کہ عربی زبان میں ''السماء'' کا مطلب، اوپر موجود شئے ہے۔ یہ کسی گھر یا مقبرے کی چھت بھی ہو سکتی ہے اور زمین یا کسی سیارے یا ستارے کے اوپر موجود خلاء بھی۔

❁..❁

اس نے کہا: آپ نے تو ایک ایسی واضح بات فرمائی ہے جو کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جس آسمان کے اندر یہ ستارے دورہ کرتے ہیں وہ ضرور ان کی جڑ ہو گا جو انہی کے لئے بنایا گیا ہو گا، کیونکہ یہ ستارے اسی میں گردش کرتے ہیں۔

میں نے کہا: تو اب تم نے تسلیم کر لیا کہ ان ستاروں کا خالق جن کے سعد و نحس اثرات کے مطابق انسان پیدا ہوتے ہیں، وہی ہے جس نے زمین کو پیدا کیا ہے کیونکہ اگر وہ اس زمین کو نہ پیدا کرتا (تو یہاں) کوئی مخلوق ہی نہ ہوتی۔

اس نے کہا: اس بات کے ماننے کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ نہیں۔

میری دلیل ختم ہو گئی

میں نے کہا: تو کیا تمہاری عقل یہ نہیں بتاتی کہ آسمان کے پیدا کرنے پر وہی قادر

(ہوسکتا) ہے جس نے زمین، مخلوقات، آفتاب، ماہتاب اور ستاروں کو پیدا کیا، مزید یہ کہ اگر آسمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے نہ ہوتا تو زمین کی مخلوقات بھی فنا ہو جاتیں۔ (کیونکہ آسمانی اجسام کا زمین کی چیزوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔ مثلاً اگر سورج نہ ہوتا تو زمین پر نہ ہریالی اگتی، نہ پھول کھلتے، نہ موسم بدلتے، نہ کوئی مخلوق زندہ رہتی)۔

اس نے کہا: میں اب گواہی دیتا ہوں کہ بے شک (ان سب کا) پیدا کرنے والا ایک ہی ہے، اس لئے کہ آپ نے میرے سامنے ایسی دلیل بیان کی ہے جو میری عقل میں آ گئی اور اس سے میری دلیل قطع ہو گئی۔

میرے نزدیک یہ بات بھی درست معلوم نہیں ہوتی کہ علم نجوم کا معلّم اور علم نجوم کے حساب کا وضع کرنے والا کوئی شخص اہل زمین سے ہو، اس لئے کہ یہ ستارے آسمان میں ہیں۔ زمین کے نیچے کے حالات وہی معلوم کرسکتا ہے، جو ان ستاروں کے حالات آسمان پر ہونے کی حیثیت سے معلوم کر سکے۔ (یعنی جو ان ستاروں کے نیچے رہنے کی حیثیت سے ان کے حالات معلوم کرسکتا ہے وہی ان ستاروں کے اوپر رہنے کی حیثیت سے حالات معلوم کرسکتا ہے۔)

پھر علم نجوم، انسانوں کو کیسے حاصل ہوا؟

لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر اہل زمین کو آسمان کی چیزوں کا علم کس طرح حاصل ہوا؟ (مثلاً علم نجوم کے بارے میں) ان سب لوگوں کا حساب یکساں باریکی و درستگی کے ساتھ کس طرح ترتیب پا گیا۔

اگر میں ان قواعد کو جس قدر جانتا ہوں، نہ جانتا ہوتا تو میں تو اس کا سرے ہی سے انکار کر دیتا اور آپ سے کہہ دیتا کہ قواعد شروع ہی سے باطل ہیں۔ اس میں مجھے زیادہ آسانی تھی.... (لیکن علم نجوم سے واقف ہوں اس لیے ان باریکیوں کو سمجھ سکتا ہوں)۔

اس لیے اب ایسا کرنا میرے لیے مشکل ہے کیونکہ جن قواعد کو میں جانتا ہوں وہ بہت درست ہیں، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر انسانوں کو یہ کیونکر معلوم ہوئے۔

میں نے کہا: اچھا مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ اگر میں اس بات کو تمہاری اس ھلیلہ کے ذریعے سے جو تمہارے ہاتھ میں ہے اور اس فنِ طب کے ذریعے سے جو تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا پیشہ ہے اس طرح ثابت کردوں کہ اس ھلیلہ اور ایسی دواؤں کی مثال آسمانی مثالوں پر منطبق ہوجائے تو ایسی صورت میں تم حق کا اقرار کرلوگے اور اپنے دل سے انصاف کروگے۔ (یعنی اگر تم سوچ سمجھ کے ساتھ دل سے حق کے اقرار کا وعدہ کرو تو میں تمہاری اس مشکل کو دور کرسکتا ہوں)۔

اس نے کہا: آپ ایسا ہی کریں۔

انسانوں پر کوئی ایسی حالت بھی گزری

میں نے کہا: (اچھا بتاؤ) کیا آدمیوں پر کوئی ایسی حالت (اور ساعت بھی گزری ہے جبکہ وہ علم اور اس کے فائدوں کو مثل اس ھلیلہ وغیرہ کی طرح نہ جانتے ہوں۔

اس نے کہا: البتہ (یعنی ضرور کوئی ایسا بھی زمانہ رہا ہوگا جس میں لوگ ان دواؤں کے فوائد نہیں جانتے ہوں گے)۔

میں نے کہا: تو پھر انہیں ان باتوں کا علم کس طرح ہوا؟

اس نے کہا: بار بار کے تجربات سے۔

تجربے کا خیال کہاں سے آیا؟

میں نے کہا: لوگوں کے ذہن میں یہ بات آخر کیسے آئی کہ اس کا تجربہ کرنا چاہیے اور ان کو یہ گمان ہی کیوں کر ہوا کہ یہ دوائیں بدن کے لئے مفید ہوں گی، حالانکہ سوائے ضرر

(ظاہری) کے انھیں اس میں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ (مثلاً اکثر جڑی بوٹیاں اور دوائیں سخت کڑوی اور زہریلی ہوتی ہیں جن کے زبان پر رکھنے سے سخت تکلیف اور کراہت ہوتی ہے) انہوں نے کیوں کر ایسی چیزوں کی تلاش کا ارادہ کیا جن کو وہ جانتے ہی نہیں تھے۔ حاسے (یعنی حواس) تجربے سے پہلے ان کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے تھے؟

اس نے کہا: اپنے تجربے سے......

(اس نے وہی پہلا والا جواب دیا حالانکہ نہایت کمزور جواب ہے لیکن امامؑ چشم پوشی فرما کر اور طریقے سے گفتگو شروع فرماتے ہیں)۔

علم طب کس نے ایجاد کیا؟

میں نے کہا: (اچھا) مجھے بتاؤ کہ اس علم طب کو کس نے بنایا؟ اور ان متفرق جڑی بوٹیوں کو جن میں سے کوئی تو مشرق میں پائی جاتی ہے، کوئی مغرب میں تو (ان کے خواص کو) کس نے معلوم کیا؟ کیا کوئی راستہ اس کے علاوہ ہوسکتا ہے (کہ تم کہو) کہ جس نے علم طب کو قائم کیا اور جس نے ان جڑی بوٹیوں کو بنایا وہ انھی شہروں کے رہنے والوں میں سے کوئی حکیم آدمی رہا ہوگا۔

اس نے کہا: یقیناً! اور یہ بھی ضروری ہے کہ جس نے اس علم کو بنایا ہے وہ کوئی حکیم آدمی ہو۔ اس پر دوسرے حکیموں نے بھی اتفاق کرلیا ہو، اس میں غور وفکر بھی کیا ہو۔

اس نے اپنے علاقے کے پیڑ پودوں پر تجربہ کرلیا ہوگا

میں نے کہا: تم انصاف کرنا چاہتے ہو، اور جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرنا چاہتے ہو! تو اب یہ بتاؤ کہ اس حکیم نے (جسے تم نے تسلیم کرلیا ہے) یہ سب معلومات کس طرح حاصل کیں؟ اور یہ بھی فرض کرلو کہ اس نے اپنے علاقے یا شہر کی دواؤں کو.... مثلاً فارس کے زعفران کو معلوم

کرلیا، کیاتم کہہ سکتے ہو کہ اس نے (اس طرح) تمام روئے زمین کی نباتات کو تلاش کرکے ایک ایک درخت (کے پھلوں، پھولوں، شاخوں، پتوں اور جڑوں) کا ذائقہ چکھا ہو، یہاں تک کہ اس کو یہ تمام چیزیں معلوم ہوگئی ہوں۔

اور کیا تمہاری عقل بتاتی ہے کہ چند حکیم آدمیوں نے ملک فارس اور اس کی نباتات (یعنی ہر ایک درخت) پر مکمل تحقیق وجستجو کی ہو۔ یہاں تک کہ اپنے حواسوں سے اسے معلوم کیا اور اس درخت کو پالیا ہو، جس میں ان دواؤں میں سے کسی دوا کے اجزاء موجود ہیں۔ اگرچہ تم جانتے ہو کہ وہ اجزاء جو اس درخت کے اندر چھپے ہوئے تھے ان کے حواسوں کو معلوم نہیں تھے۔

دوسرے دور دراز کے ملکوں کی جڑی بوٹیاں کیسے معلوم کیں؟

یہ بھی فرض کرلو کہ جستجو اور تحقیق کے بغیر اس نے اس درخت کو بھی جان لیا، اور فارس کے تمام پیڑ پودوں اور نباتات کی فہرست مرتب کرلی، مگر اسے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ یہ (پتی، جڑ یا پھل) دوا نہیں بن سکتی۔ جب تک اس میں ہندوستان کا ھلیلہ، روم کی مصطگی، تبت کا مشک، چین کی دار چینی، ترک کے بیداستر کے خصیے، مصر کی افیون، یمن کا ایلوا، آرمینیہ کا بورق وغیرہ اور مختلف جڑی بوٹیاں جو اطراف روئے زمین میں پیدا ہوتی ہیں، نہ ملائی جائیں؟

اور اسے یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ ان جڑی بوٹیوں میں سے کوئی جڑی بوٹی جب تک ایک دوسری دوا سے ملائی نہ جائے، نفع نہیں دے سکتی۔ بغیر آمیزش کے مفید نہیں ہوسکتی؟ (یعنی مکسچر یا مرکب بنے بغیر دوا نہیں بن سکتی)۔

دوسرے شہروں کی جڑی بوٹیوں کے خواص اس نے کیسے معلوم کیے؟

پھر یہ سوال بھی ہوگا کہ اسے ان دواؤں (کے اجزا) کے پیدا ہونے کے مقامات کس

طرح معلوم ہو گئے جب کہ یہ اجزاء الگ الگ طرح کے ہوتے ہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں میں پائے جاتے ہیں اور یہ جڑی بوٹیاں مختلف شہروں میں پیدا ہوتی ہیں۔ بعض کی تو جڑیں استعمال کی جاتی ہیں، بعض کی چھال، کسی کے پھل، کسی کا افشردہ، کسی کا زلال، کسی کا گوند، کسی کا تیل۔

کوئی نچوڑ کر پکائی جاتی ہے، کوئی صرف نچوڑ لی جاتی ہے پکائی نہیں جاتی۔ دنیا کے مختلف علاقوں اور زبانوں میں ان کے الگ الگ نام ہیں اور کوئی ایک دوسری دوا کے ملائے بغیر قابل استعمال نہیں ہوتی اور بغیر دوسری جڑی بوتی یا کسی دوسری چیز کی آمیزش کے دوا ہی نہیں بنتی۔

بعض دوائیں درندوں اور جانوروں کے پتے (Gallbladder) ہیں (ان کے خواص کیونکر معلوم ہوئے) جن شہروں میں یہ (مختلف اقسام کی جڑی بوٹیاں) پائی جاتی ہیں وہاں کے رہنے والے آپس میں عداوتیں بھی رکھتے ہیں۔ مختلف الخیال، مختلف الرائے ہیں۔ دشمنی کے ساتھ ایک دوسرے پر غلبہ چاہتے رہتے ہیں۔ لڑتے بھڑتے بھی رہتے ہیں۔ قتل و غارت کے ساتھ ایک دوسرے کو قید بھی کرتے رہتے ہیں۔

❁..❁

نوٹ: ایسے سخت ودشوار ماحول میں کسی غیر ملک کے باشندے کو دوسرے ملک کی بوٹیوں اور دواؤں کے خواص کیسے معلوم ہو گئے قدیم زمانوں میں نقل وحمل اور کمیونی کیشن کے ذرائع بہت محدود تھے۔ ایک علاقے کے لوگوں کی خبر مہینوں اور برسوں میں دوسرے علاقے کے لوگوں تک پہنچتی تھی۔ تو اس زمانے میں یونان کے لوگوں کو ہندوستان کی جڑی بوٹیوں اور ایران کے لوگوں کو یورپ میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں کا علم کیسے ہوا؟ مختلف ممالک اور براعظموں کے درمیان جڑی بوٹیوں کا علم کیسے ہوا پھر مختلف ممالک اور براعظموں کے درمیان جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے والوں کو اپنا اپنا علم ایک دوسرے سے شیئر (Share) کرنے کے مواقع کس طرح حاصل ہوئے؟

❁..❁

وہ حکیم زمین کے طول وعرض میں گھومتا رہا

پھر بھی کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ حکیم (جس نے سب سے پہلے تحقیق کی) دنیا کے تمام شہروں میں گھومتا پھرا، اس نے تمام زبانیں سیکھیں۔ دنیا میں ہر طرف گیا۔ تندرستی کی حالت میں مشرق ومغرب میں بلا خوف وخطرہ بہادری کے ساتھ گھوم پھر کر ان تمام بوٹیوں کو تلاش کیا، کبھی بیمار نہیں ہوا، بالکل صحیح وسالم رہا اس کی ہلاکت نہیں ہوئی، زندہ رہا، موت ہی نہ آئی، برابر آگے بڑھتا گیا، کہیں بھٹکا ہی نہیں، ٹھیک چلتا رہا، کہیں ادھر ادھر نہ ہوا، یاد ہی رکھتا رہا کبھی بھولا ہی نہیں، خوش وخرم ہی رہا۔ کبھی ملول (بیمار) ہوا ہی نہیں۔ حتیٰ کہ ان دواؤں کے خواص اور ان کی پیدائش کے مقامات باوجود اختلافِ اوصاف واختلافِ رنگ اور اختلافِ نام کے دریافت بھی کر لیے۔

کیا تمہاری عقل اسے مان سکتی ہے!

اس نے ہر ایک درخت کا حال اس کی پیدائش، اور اس کی پتیوں، پھلوں، خوشبوؤں اور ذائقوں سمیت بیان کر دیا؟ (کیا یہ کسی ایک انسان کا کام ہے اور کیا کوئی اس طرح زندگی بسر کر کے تمام دواؤں کی حالتیں معلوم کر سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ ایک جڑی بوٹی میں بیس بیس خواص ہیں۔ کوئی شخص تجربے سے بھلا کیسے معلوم کر سکتا ہے۔)

کیا اس حکیم کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ گھوم پھر کر دنیا کے تمام درختوں، سبزیوں، پھلوں اور جڑوں کو، ایک ایک درخت اور ہر ہر پتی کو رفتہ رفتہ معلوم کرے؟

نوٹ: درخت/ جڑی بوٹیاں

اچھا مان لیتے ہیں کہ اس نے جس درخت کے خواص پر تحقیق کرنا چاہی وہ

مکمل کرلی ، مگر اس کے حواسوں نے اسے یہ کس طرح بتایا کہ یہ جڑی بوٹی فلاں (مرض کی) دوا (بنانے) میں کام آئے گی (حالانکہ حواس تو اس کی خاصیتوں کو محسوس نہیں کر سکتے تھے)

تم جانتے ہو کہ پیڑ پودے (اور ان کے پھل) بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض میٹھے، بعض کھٹے، بعض کڑوے، بعض نمکین (پھر اس نے ان میں سے ہر ایک درخت، جڑی بوٹی، جڑ، چھال اور گوند کے خواص الگ الگ کس طرح محسوس کر لیے؟)
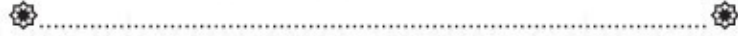
جو معلوم ہی نہیں اسے دریافت کیسے کیا؟

وہ حکیم (دنیا بھر کے) شہروں (جنگلوں، میدانوں، پہاڑوں اور دریاؤں) میں جا کر جس چیز (اجزا اور ان کے خواص) کو دیکھ ہی نہیں رہا ہے اور اس کے حواس (اسے) بتا ہی نہیں رہے ہیں (تو وہ) اس کو دریافت ہی کیسے کر سکتا تھا یا اسے کس طرح اندازہ ہوا کہ فلاں شخص سے اس درخت کا حال دریافت کرنا چاہیے۔ حالانکہ ہر علاقے کے لوگوں کی زبان اور اس کی زبان مختلف اور دوسری بے شمار رکاوٹیں۔

نام سب کے جداگانہ، کیفیت سب کی الگ، صورت سب کی علیحدہ، پھر اس نے کس طرح (کتنے عرصے) ان (دوسرے شہروں اور ملکوں) میں رہ کر وہاں زبان سیکھی سمجھی، کس طرح ان دواؤں کے نام معلوم کیے، دواؤں کی خاصیتوں کو کس تجربے سے معلوم کیا؟

اچھا مان لو کہ اس نے ایسا کر بھی لیا، لیکن ان دواؤں کے نفع و ضرر کو ان کے سکون پیدا کرنے اور بیماریوں میں استعمال کرنے کی خاطر ان کے بارد و حار کو، تلخی و حرافت کو، نرم و سخت کو کیوں کر دریافت کیا؟

ایسا عقلاً ممکن نہیں

اب اگر تم یہ کہو کہ اس نے اپنے اندازے اور گمان سے معلوم کیا، تو اجنبی چیزوں کے خواص کو معلوم کر لینا، یہ کوئی ایسی بات نہیں جو انسان اپنی فطرت اور حاسوں سے معلوم کر سکے۔

(مثلاً یہ ممکن نہیں کہ ایک پھل آپ کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ آپ نے اسے پہلے نہ دیکھا ہو اور نہ سنا ہو اور آپ اس کے اندر موجود اجزاء اور خاصیتوں اور فوائد یا اس کے ضرر کو جان جائیں)۔

اگر تمہارا جواب ہے کہ تجربے سے ..... تو اسے پہلی ہی مرتبہ جب اس نے ان دواؤں کو استعمال کیا تو ان کے نفع ونقصان کے نہ جاننے کی صورت میں مر جانا چاہیے تھا کیونکہ ان میں سے اکثر (بہت سی چیزیں) زہر قاتل ہوتی ہیں۔ (یعنی وہ حکیم تجربے کے دوران ہی مر جاتا)

حکیم کے تجربے سے دوسرے لوگ مرتے رہے ہوں گے

اور اگر تم یہ کہو کہ وہ ہر ہر شہر میں پھرتا رہا، ہر ہر ملک، شہر اور قوموں میں جا کر رہتا رہا۔ اس نے وہاں کی زبانوں کو سیکھا، (پھر اس نے) اسی علاقے کے لوگوں پر ان دواؤں کا تجربہ کیا، ان تجربوں سے وہیں کے مقامی لوگ مرتے رہے۔ تب بھی وہ ایک دوا کی خاصیت کو (مکمل طور پر) معلوم نہیں کر سکتا تھا جب تک ان تجربات کے دوران میں بہت سے آدمیوں کی جان نہ چلی جاتی۔ اگر ایسا ہوتا تو ان شہروں والے، جن پر دواؤں کا تجربہ کر کے وہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا، ہرگز اس کا کہنا نہ مانتے اور نہ کبھی اسے اس طرح کے تجربات کرنے کی اجازت دیتے۔

نسخے میں مختلف دواؤں کی مقدار کس طرح طے ہوئی؟

اچھا یہ بھی تسلیم کر لو کہ کسی علاقے کے لوگوں نے اسے کچھ نہیں کہا اور اس کے حکم کو مان

بھی لیا اور اسے منع نہ کیا۔ مگر (دواؤں کے مخلوط کرنے کا اسے کس طرح موقع ملا)، اور کس طرح اس نے ان دواؤں کی مقدار و اوزان کو معلوم کیا (کہ بنفشہ مثلاً چار ماشہ ہونا چاہے اور تخم خطمی چھ ماشہ۔ اس لیے کہ بغیر ایک خاص تناسب کے نسخے کی ترکیب درست نہیں ہو سکتی) اور کس طرح اس نے ان کے ماشے بنائے، کس طرح اس کی رتیاں طے کیں؟

اچھا، یہ بھی تسلیم کر لو کہ وہ حکیم ان تمام مشکل و ناممکن باتوں کو بھی کر گزرا، مگر بعض دوائیں ایسی بھی ہیں کہ اگر کسی نسخے میں ان کی مقدار معمول سے بڑھ جائے تو آدمی کو ہلاک کر دیں اور اگر کم ہو جائیں تو ان کا اثر ہی مرتب نہ ہو (یہ سب کچھ اس حکیم کو کیسے معلوم ہو گیا؟)

دواؤں میں دوسرے اجزاء کا علم کیسے ہوا؟

اچھا، مان لو کہ اس نے ان تمام مراحل کو بھی طے کر لیا۔ وہ دنیا کے مشرق سے مغرب تک گھوم آیا۔ اور اس کو اتنی طولانی زندگی بھی ملی جس سے اس نے ہر درخت اور ہر ملک میں چل پھر کر اور تمام جڑی بوٹیوں اور نباتات پر تجربات کر کے اپنی تحقیق مکمل کر لی۔ مگر اسے اُن دواؤں کے اجزا کا علم کیسے ہوا جو نباتات کے شعبے سے باہر ہیں، اسے ان کی خصوصیات اور اثرات کا علم کیسے ہوا؟ اور اس نے یہ کس طرح معلوم کر لیا کہ جانوروں کے زہر اور پتے بھی، دوا میں کام آسکتے ہیں؟

اور جب تمہارا یہ دعویٰ تھا کہ اس حکیم نے تمام روئے زمین کی جڑی بوٹیوں، ہر ہر درخت اور ہر ہر پھل کو دیکھ کر معلوم کیا، یہاں تک کہ سب کو جمع کر لیا تو بعض ان میں سے ایسی بھی دوائیں ہیں جو بغیر (جانوروں کے) پتوں کے مکمل نہیں ہوتیں۔

پھر کیا اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ ہو سکتا تھا کہ تمام دنیا کے پرندوں، درندوں اور جانوروں کو ایک ایک کر کے تلاش کرے، ان کو ذبح کرے، ان کے پتوں کا تجزیہ کرے جس

طرح اس نے تمہارے خیال کے مطابق ہر جڑی بوٹی کا حال تجربات سے معلوم کیا تھا۔

اور اگر وہ ایسا ہی کرتا تو آج بہت سے جانور باقی ہی نہ رہتے، ان کی نسلیں کس طرح بڑھتیں، وہ تو درخت کی طرح بھی نہیں ہیں کہ جب ایک درخت کو کاٹ دیتے ہیں تو دوسرا اُگ آتا ہے (وہ اس طرح سے تجربات کرتا تو کتنے ہی قسم کے حیوانات دنیا سے معدوم ہو جاتے)۔

خشکی کے پرندوں اور چوپائیوں پر تحقیق...

اچھا یہ بھی مان لیتے ہیں کہ اس نے خشکی کے تمام پرندوں اور چوپایوں کا حال دریافت کر لیا، مگر اس نے دریائی حیوانات کا حال کس طرح معلوم کیا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ دنیا کے تمام دریاؤں میں جا کر ہر قسم کے جانوروں پر تحقیق و تجربہ کرتا، جس طرح اس نے زمین کی دوسری چیزوں کو تحقیق و جستجو سے معلوم کیا، اسی طرح دریاؤں، سمندروں اور جھیلوں میں رہنے والے جانوروں کے حالات پر بھی عبور حاصل کرتا، اور انہیں تمام سمندروں، دریاؤں، جھیلوں میں تلاش کرتا۔

اگر تمہیں ان چیزوں میں سے کوئی چیز معلوم نہ ہو تو نہ سہی لیکن اس بات سے ہرگز ناواقف نہیں ہو سکتے کہ آبی حیوانات سب کے سب پانی کے اندر ہی رہتے ہیں۔

(لہٰذا ضروری ہے کہ اس حکیم نے تمام دریاؤں، سمندروں اور جھیلوں کے اندر اُتر کر اور ہر ایک آبی جانور کو پکڑ پکڑ کر حالات معلوم کئے ہوں اور حد تجربہ تک پہنچا ہو۔ حالانکہ یہ بات بالکل خلاف قیاس و عقل ہے)

کیا تمہاری عقل اور تمہارے حاسے (حواسِ خمسہ) اس بات کو مان سکتے ہیں کہ یہ سب چیزیں تحقیق و تجربے سے معلوم ہو سکتی ہیں؟

آپؑ نے تو انکار کا راستہ ہی بند کر دیا

اس نے کہا: آپ نے تو میرا راستہ ہی تنگ کر دیا، میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ آپ کو کیا جواب دوں؟

میں نے کہا: میں نے جس قدر بیان کیا ہے اس کے علاوہ اور بھی اس سے زیادہ واضح امر بیان کرتا ہوں۔ (کیوں کہ حقیقتِ حال اس سے بھی بڑھ کر حیران کر دینے والی ہے)۔

تم تو جانتے ہو کہ یہ چرند، پرند اور درندوں کے پتے جن سے مختلف امراض کے نسخے مرتب کئے جاتے ہیں، کامل دوا نہیں بن سکتے جب تک ایک دوسرے کے ساتھ مرکب نہ ہوں۔

اس نے کہا: ایسا ہی ہے۔

مختلف دواؤں کے اوزان کس طرح معلوم ہوئے؟

میں نے کہا: تو اب مجھے بتاؤ کہ اس حکیم کے حواسوں نے ان دواؤں کے وزن مثقالی اور قیراطی (مثلاً دو ماشہ چار ماشہ...... دو جَو، چار جَو کے بقدر فلاں فلاں دوا ہونا چاہیے) کس تجربے کی بنیاد پر طے کئے؟

تم تو اس بات کو خوب جانتے ہو کیونکہ تمہارا پیشہ ہی حکمت وطبابت ہے۔ کسی مرکب دوا میں تو ایک رنگ کی پتی یا پھل کے چار سو مثقال (ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے) ڈالتے ہو اور دوسرے رنگ کی دوا میں سے چند ہی مثقال، اور چند ہی قیراط...... (ایک قیراط دو جَو کے وزن کا ہوتا ہے) کبھی اس سے کچھ ذرا کم، کبھی اس سے کچھ زیادہ۔

یہاں تک کہ ایک خاص مقدار پر وہ دوا تیار ہو جاتی ہے۔ جب اسی دوا کی ایک خاص مقدار دستوں کے مریض کو پلاتے ہو تو اس کے دست بند ہو جاتے ہیں اور جب مرض قولنج والے کو اس مقدار سے زیادہ پلا دیتے ہو تو اس کو دست آنے لگتے ہیں۔

حکیم کس طرح جان گیا کہ یہ دوا جسم میں کہاں جائے گی؟

پھر اب اس حکیم کے حواسوں نے ان باتوں کا کس طرح ادراک کرلیا (کہ ایسا کرنے سے یہ اثر ہوگا) یا اس کے حواسوں نے یہ کہاں سے جان لیا کہ جو دوا سر کے درد کے لیے مریض کو پلائی جائے گی اس کا اثر پاؤں تک نہیں پہنچے گا حالانکہ اس کے اثر کا پاؤں تک اتر آنا بہ نسبت اوپر کی طرف چڑھنے کے آسان ہے۔ اور جو دوا، پاؤں کے درد کے لئے استعمال کرائی جائے گی وہ دماغ کی طرف نہیں چڑھے گی۔

اسی طرح ہر وہ دوا جو کسی مریض کو کسی عضو کے لئے پلائی جاتی ہے وہ رگوں کے ذریعے سے وہیں پہنچتی ہے جہاں کے لئے اسے استعمال کرایا گیا ہے۔ حالانکہ (پہلے پہل) تمام دوائیں معدے ہی میں جاتی ہیں پھر وہاں سے تقسیم ہوتی ہیں۔

تو کس طرح اس حکیم کو معلوم ہوگیا کہ اس دوا کا اثر صرف دماغ پر پڑے گا، اس کے برعکس پاؤں، ہاتھ، پیٹ یا کمر وغیرہ کی طرف یہ دوا نہیں جائے گی یا اس دوا کا اثر صرف پاؤں پر ہی پڑے گا دوسرے اعضاء پر نہیں ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ سب پر پیچ اور پوشیدہ حقائق اس کے حواسوں ہی نے اسے بتائے؟

اس نے کیسے جانا کہ فلاں دوا، فلاں عضو کے لیے سودمند ہے؟

یہ کیوں نہیں ہوتا کہ جو دوا اوپر کی طرف ہے وہ نیچے چلی جائے اور جو نیچے کی طرف جانے والی ہے (اور وہاں اثر کرنے والی ہے) اوپر کی طرف کے اعضاء کو متاثر کرے؟ اس کے حواسوں نے آخر اس بات کو کس طرح جان لیا کہ فلاں دوا صرف کان کے لئے سودمند ہے، آنکھ کو اس سے نفع نہیں پہنچے گا، اور فلاں دوا سے آنکھ کو فائدہ ہوگا، کان کے درد کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

تم جانتے ہو کہ تمام اعضاء کے امراض میں اسی دوا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جو

خاص طور پر اسی عضو کے لئے مناسب ہیں۔

تم تو جانتے ہو کہ دوا کے اجزا جسم کے اندر جہاں اثر کرتے ہیں، وہ مقامات جوفِ بدن کے اندر نظروں سے مخفی ہیں۔ (خون کی) رگیں، گوشت کے اندر ہیں اور ان کے اوپر جلد ہے۔ نہ ان کو کان (قوت سامعہ) محسوس کر سکتا ہے، نہ آنکھ (قوت باصرہ) نہ ناک (قوت شامہ)، نہ ہاتھ (قوت لامسہ) نہ زبان (قوت ذائقہ)

(پھر دوا کے اندر چلے جانے کے بعد اس کی کیفیت اور دواؤں کے ان دیکھے مقامات کا علم اس حکیم کو کس طرح ہوا؟)

(نوٹ: یاد رہے کہ اس ہندی طبیب نے کہا تھا کہ میں کسی ایسی چیز کے وجود کو نہیں مانتا جسے میں اپنے حواسِ خمسہ سے نہ محسوس کر سکوں۔ دوا جب جسم کے اندر چلی گئی تو اسے کیسے معلوم ہوا کہ یہ دوا اب جسم میں کس مقام پر پہنچی؟)

دوائیں تو خون میں شامل ہو جاتی ہے

اس نے کہا: آپ نے جو باتیں کیں انھیں میں جانتا ہوں لیکن ہم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس حکیم نے ان دواؤں کو دریافت کیا اور ان سے نسخے تیار کیے تو، وہ یہ کرتا ہوگا کہ جب کسی کو ان مرکبات میں سے کوئی دوا پلاتا اور وہ مرجاتا تو اس کا پیٹ چاک کر کے رگوں کو دیکھتا، ان دواؤں کے جانے کے راستوں کا معائنہ کرتا، ان مقامات کو دیکھتا جہاں یہ دوائیں نظر آتیں۔

میں نے کہا: اچھا بتاؤ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمام دوائیں جب جسم کی رگوں میں چلی جاتی ہیں تو خون کے ساتھ مخلوط ہو کر ایک جان ہو جاتی ہیں؟

اس نے کہا: جی ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔

مرتے ہی خون جم جاتا ہے

میں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ آدمی کا دم نکلتے ہی اس کا خون جم جاتا ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

میں نے کہا: تو پھر اس حکیم نے جو دوا اُس مریض کو پلائی تھی اس نے اسے جمے ہوئے خون سے کس طرح الگ کیا؟ حالانکہ اب وہ ایسی نمایاں بھی نہیں رہی جس کی وجہ سے اسے خون کے رنگ سے الگ کر کے معلوم کیا جا سکے۔

اس نے کہا: آپ نے تو مجھے سخت مشکل میں ڈال دیا، اور ایسی چیزیں بیان فرمائیں کہ میری عقل چکرا گئی ہے۔

دواؤں کے نسخے کس طرح تیار ہوئے؟

میں نے کہا: تو اب بتاؤ کہ انسانوں نے ان دواؤں کو جن میں ان کا فائدہ اور ان کے امراض کا علاج تھا، ان کے بارے میں کہاں سے جانا؟ یہاں تک کہ ان مختلف دواؤں کو ملا کر مرکبات تیار کیے۔ ان کی جڑی بوٹیوں کو مختلف شہروں میں تلاش کیا۔ ان کے مقامات معلوم کئے۔ ان کے ملنے کے مقامات سے انہیں حاصل کیا۔ یہ بھی جان لیا کہ فلاں کی جڑ مفید ہے (فلاں کے پتے، فلاں کے پھل) اُن کا اتنا وزن ہونا چاہیے۔ اتنے ماشے ہونے چاہئیں، اتنے جَو ہونے چاہئیں۔ فلاں پتھر (پیس کر) اس میں ڈالنا چاہیے، فلاں فلاں درندے کے پتے (اتنی مقدار میں) اس میں شامل کیے جائیں وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ: واضح رہے کہ علم طب کئی ہزار سال پرانا علم ہے جب نہ سفر کے راستے تھے، نہ ایک علاقے کے لوگوں کا دوسرے علاقے کے لوگوں سے رابطہ تھا۔ کمیونی کیشن

کے ذرائع بھی موجود نہیں تھے اور نہ انسانوں میں ایسا سائنسی شعور تھا کہ وہ ہر پیڑ، پودے جانور اور پتھر پر تحقیقات کرتے۔

نسخے کیسے بن گئے

اس نے کہا: میں تو آپ کے سوالات کے مشکل ہونے کی وجہ سے جواب دینے سے عاجز ہوں۔ آپ نے مجھے ان باتوں اور ان کی گہرائیوں اور تفصیلات کی طرف متوجہ کر کے مضطرب کر دیا ہے جن کا ادرک، علم اور احاطہ، حواسِ خمسہ اور تمثیل و قیاس سے ممکن ہی نہیں ہے۔

ان نسخوں کو یقیناً کسی تیار کرنے والے نے تیار کیا ہوگا۔ نسخے خود تو نہیں بن گئے ہوں گے (کہ جڑی بوٹیوں نے خود ہی اپنی الگ الگ مقدار جمع کر لی) اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کام ایک طویل جد و جہد، کوشش اور تحقیق و تجربے کے ذریعے ہو گیا ہو۔

آپ ہی رہنمائی فرمائیں

اب آپ ہی میری رہنمائی فرمائیں کہ انسانوں نے ان دواؤں کو جن میں فوائد ہیں کیونکر معلوم کیا، یہاں تک کہ ان کو ترکیب دیا، انھوں نے مختلف شہروں میں گھوم پھر کر ان کی (جڑی بوٹیوں) کو کس طرح تلاش کیا۔

میں نے کہا: اب میں تم سے میں ایک مثال بیان کرتا ہوں اور تمہارے سامنے ایک دلیل قائم کرتا ہوں جس سے تم سمجھ سکو گے کہ ان تمام (نسخوں) دواؤں کا بنانے والا کون ہے؟ کس نے ان مختلف جڑی بوٹیوں کو بنایا؟ کس نے اس جسم انسانی کو پیدا کیا؟ اور کس نے اس جسم کے اندر وہ رگیں بنائیں جن سے گزر کر وہ دوا مرض (متاثر عضو) تک پہنچتی ہے؟

باغ لگانے والے کی مثال

اس نے کہا: اگر آپ یہ تفصیل بھی بیان فرمائیں گے تو میں ضرور اسے تسلیم کرلوں گا۔

میں نے کہا: تم سے میں ایک ایسے شخص کی مثال بیان کرتا ہوں جس نے ایک وسیع و عریض باغ لگایا ہو۔ اس کے گرد مضبوط چاردیواری بھی قائم کی ہو اور جو چیزیں اس باغ کے لئے ضرررساں ہیں ان سے اسے بچایا بھی ہو۔ اب تم خود بتاؤ کہ باغ کے لگانے والے کے لیے وہاں کسی قسم کے درخت کی جگہ نامعلوم بھی رہے گی؟ (ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس نے خود ہی وہ باغ لگایا ہے۔ خود ہی اس کا اہتمام کیا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ فلاں درخت کس مقام پر موجود ہے)

اب فرض کرو کہ جب اس باغ کے درخت تیار ہوگئے اور پھل بھی پختہ ہوگئے۔ اس میں سبزیاں اور ہریالی لہلہانے لگی (تو ایسے میں) تم بھی اس باغ میں جا پہنچے اور باغ کے مالک سے تم نے کسی قسم کی پھلی یا ترکاری یا پھل وغیرہ کی خواہش ظاہر کی اور اس کا نام بھی بتادیا۔

تمہیں معلوم ہے کہ باغ کے مالک کو پتا ہے کہ کون سے پیڑ یا بوٹی باغ میں کس جگہ موجود ہے۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا ہوگا اسی لیے سیدھا اسی درخت کی طرف جائے گا جس کے پھل وغیرہ کی تم نے خواہش ظاہر کی تھی۔ وہ اسی درخت تک جائے گا، اس کے علاوہ کسی اور سبزی ترکاری کی طرف توجہ ہی نہیں دے گا اور وہی پھل یا سبزی تمہیں لا کر دے گا جو تمہیں درکار تھی۔

اس نے کہا: بیشک (ایسا ہی ہوگا)

مطلوبہ پیڑ کو تم خود باغ میں تلاش کرسکو گے؟

میں نے کہا: اور اگر باغ کا مالک تم سے کہے، کہ تم خود ہی باغ میں جا کر اپنی ضرورت کی چیز لے آؤ۔ میں یہ کام نہیں کروں گا تو کیا تم سیدھے اسی مطلوبہ درخت تک پہنچ جاؤ گے؟ نہ دائیں طرف مڑو گے نہ بائیں۔ سیدھے اس درخت تک پہنچ جاؤ اور اس میں سے پھل

حاصل کرلو گے؟

اس نے کہا: ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے جبکہ مجھے معلوم ہی نہیں کہ وہ درخت باغ کے کس حصے میں لگا ہوا ہے!

میں نے کہا: یقیناً ایسا ہی ہے، تم اس درخت تک بغیر تلاش و جستجو یا اس باغ کے مالک کی رہنمائی کے نہیں پہنچ سکتے۔ سوائے اس کے کہ اِدھر اُدھر بھٹکتے رہو اور اپنے اندازے سے درخت تک پہنچ جاؤ یا وہ درخت تلاش کے باوجود تمہیں نہ ملے تو خالی ہاتھ واپس آؤ۔

اس نے کہا: مجھ سے تو ایسا کرنا ممکن ہی نہیں ہوگا کیونکہ مجھے تو یہی نہیں معلوم کہ وہ درخت کس جگہ لگایا گیا ہے۔ (درخت کی تلاش تو اس وقت کروں گا جب مجھے اس کے مقام اور اس کی خاصیت اور فائدے کا علم ہو)۔

میں نے کہا: (ان حقائق کو سمجھنے کے بعد کہ کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ ساری دنیا کی نباتات کو تجربہ کر سکے) میں تمہاری عقل (کامن سینس) اس حقیقت کو تم پر واضح کرے گی کہ جس نے مغرب سے مشرق تک پھیلے ہوئے اس اتنے بڑے باغ کو لگایا ہے اور اس میں ان اشجار، سبزی ترکاریوں، جڑی بوٹیوں، پھلوں، پھولوں کو اُگایا ہے، اسی نے اس حکیم کو بھی بتایا ہوگا جس کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ اس نے علم طب کو ان جڑی بوٹیوں اور ان کے خواص، مقامات (اور امراض) کی مناسبت سے ایجاد کیا ہے۔

اسی طرح تم اپنی عقل سے یہ بات بھی سمجھ سکتے ہو کہ اسی (باغ لگانے والے) نے ان دواؤں کے نام بھی (اس حکیم کو) بتائے ہوں گے، (اس نے اس حکیم کو) ان کے ملنے کے مقامات بھی بتائے ہوں گے اور ان کے (ملنے کے) مقامات کو بھی وہ اسی طرح جانتا ہوگا جیسے اس باغ کا مالک جانتا تھا جس سے تم نے پھل مانگے تھے۔

باغ لگانے والا بھی وہی ہے

اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے (یعنی قرین عقل نہیں ہے) کہ جس نے اس باغ کو لگایا اور (حکیم کو) بتایا، وہ کوئی اور ہو اور جس نے اس باغ کے درختوں کے فائدے یا نقصانات اور اوزان (رتی، ماشے) بتائے وہ کوئی اور ہو۔

اس نے کہا: واقعی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا آپ فرماتے ہیں۔

میں نے کہا: اگر اس جسم اور اس کے اعصاب و گوشت، رگوں اور شریانوں کا پیدا کرنے والا، ان جڑی بوٹیوں کے اُگانے والے کے علاوہ کوئی اور ہوتا.... تو کیا وہ ان دواؤں کے وزن، رتی، ماشے سے واقف ہوتا اور کیا تمہاری رائے میں وہ اس بات کو جان سکتا تھا کہ کون سی پتی کس مرض کے لئے مفید ہے اور کون سی دوا کون سی رگ میں اثر کرے گی؟

اس نے کہا: کوئی کس طرح جان سکتا، یا کس طرح اس بات پر قادر ہوتا حالانکہ یہ بات کسی حاسے (آنکھ، ناک، کان، زبان اور جلد) کے ذریعے سے تو معلوم نہیں ہوسکتی البتہ اس بات کو صرف وہی جان سکتا ہے جس نے یہ باغ لگایا ہے اور جو ہر درخت اور ہر ایک جڑی بوٹی اور ان کے فوائد کو جانتا ہے۔

جسم، دوا یا بیماری پیدا کرنے والا ایک ہی ہوگا

میں نے کہا: تو اسی طرح..........کیا یہ ممکن نہیں کہ ان دونوں یعنی (جسم انسانی اور نباتات وادویات جڑی بوٹیوں) کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہو؟ کیونکہ اگر دو ہوتے، ایک نے تو دواؤں کو پیدا کیا ہوتا اور دوسرے نے جسم انسانی اور اس کی بیماریوں کو۔ تو دواؤں کے پیدا کرنے والے کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ جسم کے کس مرض کے لئے کون سی دوا مفید ہے؟ اور نہ جسم کے پیدا کرنے والے کو یہ معلوم ہوتا کہ ان دواؤں میں سے کون سی، فلاں مرض کے لئے فائدہ مند ہے۔

اس کے برعکس اگر ایک ہی نے دونوں یعنی جسم انسانی اور جڑی بوٹیوں کو پیدا کیا ہو،تو وہ جسم انسان کے ہر مرض اور ہر رگ وریشے سے واقف ہوگا۔مزید یہ کہ تمام ادویات کو بھی بخوبی سمجھتا ہوگا کہ کون سی دوا کب کتنی، کس مرض کے لئے بہتر ثابت ہوگی۔ اسے دواؤں کی خصوصیات گرم وسرد، نرم وسخت وغیرہ بھی معلوم ہوں گے۔کسی نسخے میں کس مقدار میں کون کون سی مختلف جڑی بوٹیاں ملا کر مریض کو دی جائیں،کون سی دوا دماغ کی طرف جائے گی اور کون سی جسم کے دوسرے اعضا کی طرف جا کر بیماری کے اثرات کو دور کرے گی۔

باغ، جڑی بوٹیوں، بیماری اور جسم کے خالق دو نہیں ہوسکتے

اس نے کہا: یقینا !اگر جسم کا خالق کوئی اور ہوتا اور دواؤں کا پیدا کرنے والا کوئی دوسرا ہوتا،تو ان میں سے کسی ایک کو دونوں باتیں معلوم نہیں ہوسکتی تھیں۔جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے۔ نہ جسم کے پیدا کرنے والے کو دواؤں کی حقیقت معلوم ہوتی اور نہ ہی دواؤں (جڑی بوٹیوں) کے پیدا کرنے والے کو اجسام اور ان کے امراض کا حال معلوم ہوتا کہ کس کے لئے کیا مفید ہے؟

میں نے کہا: تو جس نے اس حکیم کو (جس کی نسبت تمہارا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس نے ان دواؤں کو ترکیب دیا ہے)، ہدایت کی، اسے مشرق سے مغرب تک کی متفرق جڑی بوٹیوں کے بارے میں تعلیم دی، اور اس علم طب کو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے قائم کیا، وہی اس باغ کا بھی مالک ہے جو مشرق ومغرب میں پھیلا ہوا ہے۔اسی نے اس جسم کو بھی بنایا ہے اور اسی نے اس حکیم کو (جو ممکن ہے کوئی نبی ہو، جیسے حکیم لقمان یا جناب داوٴدؑ) بھی ہر درخت کی خاصیت ،اس کے شہر،اس کے مقامات پھلوں، روغنوں، پتوں، لکڑیوں اور چھال وغیرہ کی خصوصیات کے بارے میں بتایا ہے۔

اسی طرح ان کے اوزان، (ماشہ، رتی) کے بارے میں بھی رہنمائی کی ہے، ہر مرض

کی دوا بتائی کہ کون سی دوا کس مزاج والے انسان کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

درندوں، پرندوں اور چوپائیوں کا خالق بھی ایک ہی ہوگا

وہی (یعنی اللہ تعالیٰ) درندوں، پرندوں اور چوپاؤں کا بھی خالق ہے۔ جن کے پتّوں میں فوائد ہیں اور وہ نسخوں میں استعمال کئے جاتے ہیں کیونکہ اس کا خالق ان کے پیدا کرنے والے کے علاوہ اگر کوئی اور ہوتا تو ہرگز نہ جان سکتا کہ کون سے پتّے میں کیا فائدہ ہے؟ کس میں کیا نقصان ہے؟ کون سا پتّہ جڑی بوٹیوں کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے (اور کون سا نہیں)۔

اب چونکہ پیدا کرنے والا ایک ہی تھا اس لئے اس نے ان کے فوائد اور ان کے نام بھی بتا دیے تاکہ وہ حکیم (یعنی وہ نبی) اسے معلوم کر لے، جس میں فائدہ ہے اسے اختیار کرے اور جس میں نقصان ہے اسے چھوڑ دے۔

اسی ذریعے سے اس حکیم کو معلوم ہوا کہ کون سا درندہ، کون سا جانور، کون سا پرندہ کیا کیا فائدے رکھتا ہے؟ ان کی کون سی چیزیں (اعضاء) زیادہ مفید اور کون سی کم مفید ہیں۔ کس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اب تم خود سوچو کہ اگر ان اشیاء کا خالق، اس حکیم کو ان باتوں کی تعلیم نہ دیتا تو حکیم کو کس طرح ان باتوں کا علم ہو سکتا تھا؟

(معلوم ہوا کہ جس حکیم کو تم حکیم کہتے تھے وہ دراصل نبی یا رسول تھا اور جس نے انسانوں کو اس کی تعلیم دی)

اس نے کہا: آپ درست فرماتے ہیں۔ ان حالات وصفات کے سامنے تو حاسے (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) اور تجربے سب بیکار ہیں۔ (یعنی اس قدر پیچیدہ صورتِ حال میں تو انسانی عقل بالکل بے بس ہے)

کیاان اشیاء کو پیدا کرنے والے کے لیے مناسب ہے کہ...

میں نے کہا: جب تمہارے دل نے اسے درست وصحیح تسلیم کرلیا تو آؤ ہم تم دونوں مل کر اپنی اپنی عقلوں سے غور کریں اور اپنے اپنے حواسوں سے سمجھیں کہ کیا، یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ اس باغ (دنیا) کے لگانے والے، ان درختوں کے پیدا کرنے والے، ان چوپاؤں پرندوں اور آدمیوں کے پیدا کرنے والے کو جس نے ان تمام اشیاء کو انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے، مناسب ہے کہ ان مخلوقات اور ان نباتات کو کسی اور کی زمین پر پیدا کرے، کسی غیر کی زمین پر لگائے کہ زمین کا مالک، جب چاہے اسے کام سے روک سکے۔

(آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح تم نے مان لیا کہ جسم انسان اور جڑی بوٹیوں کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے اسی طرح یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ زمین کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے جس نے انسانی جسم اور پیڑ پودوں کو پیدا کیا ہے۔)

اس نے کہا: آپ درست فرمارہے ہیں۔ جس زمین پر یہ باغ لگایا گیا ہے اور جس میں یہ پیڑ پودے اُگائے گئے ہیں ایک ہی خالق کی ملکیت میں ہونا چاہئیں۔

میں نے کہا: تو میرے خیال میں۔۔ یہ زمین بھی اس باغ والے ہی کی اپنی ذاتی ملکیت ہوگی؟

اس نے کہا: بیشک....

پانی بھی اسی کا ہونا چاہیے

میں نے کہا: اچھا، مجھے بتاؤ اور انصاف سے کہو، کیا تمھیں یہ بات معلوم نہیں کہ یہ باغ (یعنی یہ دنیا) اور اس میں جس قدر مخلوقات مثلاً انسان، چوپائے، پرندے، اشجار، نباتات اور پھل وغیرہ موجود ہیں یہ سب بالکل سرسبز وشاداب نہیں رہ سکتے جب تک پانی سے سیراب نہ ہوتے رہیں جس سے ان کی زندگی ہے۔

اس نے کہا: بیشک معلوم ہے۔

میں نے کہا: تو پھر کیا تمہاری یہ رائے کہ اس باغ (یعنی اس زمین) اور اس کی پیداوار کا خالق تو کوئی اور ہے، اور پانی کا خالق کوئی اور ہے جس کی مرضی ہے کہ جب چاہے باغ کا پانی روک دے اور جب چاہے جاری کر دے۔ اگر ایسا ہو تو باغ والے کا تو کام ہی خراب ہو جائے گا۔

اس نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس باغ اور اس قدر عظیم مخلوقات کا خالق، اور ان درختوں کا لگانے والا سوائے پہلے والے مدبّر (انتظام کرنے والے) کے کوئی اور ہو اور یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ پانی اس کے سوا کسی اور کی ملکیت ہو۔ مجھے تو یقین ہے کہ یہ تمام پانی جس کے چشمے زمین اور پہاڑوں سے جاری ہوتے ہیں، ان کا خالق بھی وہی ہے۔

اسی نے اس باغ کو بھی لگایا ہے اور ان چیزوں کو بھی پیدا کیا ہے جو اس کے اندر ہیں۔ کیونکہ اگر یہ پانی اس باغ کے مالک (جو دراصل خدائے تعالیٰ ہے) کا نہ ہوتا، تو باغ اور جو کچھ اس کے اندر ہے تباہ و فنا ہو جاتا۔ بلکہ ان درختوں کے لگانے اور پیدا کرنے سے پہلے اس نے پانی کو پیدا کیا (ہوگا) جس سے تمام چیزیں درست اور قاعدے سے نشو و نما پائیں۔

اضافی پانی کا ذخیرہ بھی ہونا ضروری ہے

میں نے کہا: اب دیکھو، اگر اس پانی کا، جو اس باغ کے اندر بہہ کر آتا ہے، کوئی ذخیرہ نہ ہوتا جو باغ کی سیرابی سے زائد پانی کو اپنے پاس محفوظ رکھے تا کہ ضرورت کے وقت اسے باغ میں جاری کر سکے، (تو بڑا مسئلہ پیدا ہو جاتا) اگر پانی کا اضافی ذخیرہ موجود نہ ہوتا تو تمام مخلوقات ہی فنا ہو جائیں۔

اس نے کہا: پانی کے بغیر تو وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتی تھیں لیکن کیا معلوم اس پانی کو، کوئی روکنے والا ہی نہ ہو اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے اسی طرح چلا آ رہا ہو؟ (یعنی ہو سکتا ہے کہ ابتداء ہی سے

پانی اس طرح موجود ہو)۔

میں نے کہا: تم تو مجھ سے اقرار کر چکے ہو کہ اگر دریا، اور اس کا خزانہ (یعنی پانی) نہ ہوتا تو سارا باغ فنا ہو جاتا۔

اس نے کہا: بیشک! میں اس بات کو مانتا ہوں۔

سمندر کے پانی میں کبھی کمی ہوتے دیکھی ہے؟

میں نے کہا: اچھا تو اب میں تمہیں ایسی بات بتاتا ہوں جس سے تم کو یقین ہو جائے گا کہ دریا کا خالق بھی وہی ہے جس نے باغ اور اس کے پیڑ پودوں اور پھولوں، پھلوں کو پیدا کیا۔ اس نے اس باغ کی نہروں کے واسطے مخزن قرار دیا ہے (یعنی پانی کے خزانے کہیں محفوظ ہوتے ہیں جہاں سے یہ پانی نہروں اور دریاؤں میں آتا رہتا ہے)۔ اس نے آدمیوں کے لئے اس میں (جو دوسرے) فائدے مقرر کئے ہیں، وہ الگ ہیں۔ (مثلاً مچھلیاں اور کشتیوں، جہازوں وغیرہ سے وابستہ لاکھوں افراد کا ذریعہ معاش۔)

اس نے کہا: (آپؑ درست فرما رہے ہیں لیکن) آپ مجھے پورا یقین دلائیں جیسا کہ اس کے علاوہ اور باتوں کا آپ نے مجھے یقین دلایا ہے۔

میں نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا کی ضرورتوں سے، بچا ہوا پانی سمندروں میں چلا جاتا ہے۔

اس نے کہا: کیوں نہیں یہ بات مجھے معلوم ہے۔

میں نے کہا: تو کیا تم نے زیادہ بارش برسنے کے زمانے میں اس (سمندر) میں کبھی اس حد سے زیادتی ہوتے ہوئے دیکھی ہے جس پر یہ ہمیشہ سے ہے۔ یا گرمی کی زیادتی، قحط کے زمانوں اور کم بارش ہونے کے دور میں اس (سمندر) میں تم نے کوئی کمی ہوتے ہوئے دیکھی ہے؟

اس نے کہا: نہیں۔

سمندر کی موجیں ایک حد میں رہتی ہے

میں نے کہا: تو کیا تمہاری عقل تمہیں یہ نہیں بتاتی کہ اس پانی اور اس باغ کا خالق ایک ہی ہے۔ اسی نے اس (پانی اور دوسری ضروریاتِ زندگی) کی ایک حد مقرر کردی ہے کہ نہ زیادتی کی وجہ سے زیادہ ہو اور نہ کمی کی وجہ سے (کوئی چیز) کم ہو۔

نوٹ: دنیا کا پانی

آج سائنس دانوں اور ماہرینِ حیاتیات کے مطابق دنیا میں موجود پانی کی مقدار نہ کبھی کم ہوتی ہے اور نہ کبھی بڑھتی ہے لیکن یہ رازِ زندگی سو سال پہلے بھی کرہ ارض پر موجود کسی بڑے سے بڑے فلسفی، کیمیادان، ماہر حیاتیات کو معلوم نہیں تھا۔ ہم کتنا ہی پانی استعمال کرلیں یہ پانی اس زمین و آسمان کے اندر رہتا ہے اور واٹر سائکل کے عمل سے گزر کر پھر ہم تک آجاتا ہے۔

(How Science Works:حوالہ)
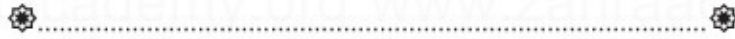
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

میرے اس بیان کی دلیل یہ ہے کہ ان سمندروں سے پہاڑوں جیسی موجیں اٹھتی ہیں جو میدانوں اور پہاڑوں غرض ہر مقام تک پہنچ جاتی ہیں تو اگر اس کی موجیں روکی نہ جاتیں اور جہاں ان کے ٹھہرائے جانے کا حکم دیا گیا ہے، ٹھہرائی نہ جاتیں تو (سمندری لہریں) تمام دنیا پر محیط ہوجاتیں، حالانکہ اب تم دیکھتے ہو کہ پانی جب ان مقامات تک پہنچ جاتا ہے جہاں اس کے ٹھہرنے کا حکم ہے تو موجیں ٹھہر جاتی ہیں اور ان کا جوش اور ابھار کم ہوجاتا ہے۔

نوٹ: سمندر کی حدود

کرّہ ارض کے طول وعرض میں سے خشکی (یا زمین) صرف 30 فیصد علاقے پر موجود ہے کرہ ارض کا 70 فیصد سے زیادہ سمندروں پر مشتمل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق یہ سمندری پانی اپنی حدود میں رہتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا ہے سمندر کا پانی کرہ ارض پر موجود خشکی کے علاقے کو غرقاب کردے۔

❀...❀

اس نے کہا: واقعی ایسا ہی ہے جیسا آپ نے ارشاد فرمایا۔ خود میں نے بھی ان تمام چیزوں کو اسی طرح دیکھا ہے جیسا آپ نے بیان فرمایا ہے۔ اس وقت آپ نے مجھ سے ایسی دلیلیں بیان فرمائی ہیں جن کو میں نہ رد کرسکتا ہوں اور نہ ان کا انکار کرسکتا ہوں۔

مخلوقات کے درمیان رشتوں کی زنجیر

میں نے کہا: اس کے علاوہ میں تم سے وہ بات بیان کروں گا جس سے تم اچھی طرح سمجھ جاؤ گے کہ سلسلہ مخلوقات کس طرح ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے اور یہ کہ یہ کام ایک ہی مدبرّ وحکیم اور ایک عالم وقدیر کا ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عام طور پر تمام باغات اور کھیت... دریا اور چشموں ہی سے سیراب نہیں ہوتے۔ بہت سے چوپایوں، وحشیوں اور جنگلی درندوں کی زندگی کا دارومدار ایسے درختوں، جڑی بوٹیوں اور گھاس کے پودوں پر ہے، جو دریا اور پانی کے چشموں سے سیراب نہیں ہوتے، ان کی سرسبزی وشادابی کے بادل اور بارشیں ہیں۔ انہیں ابر رحمت ہی سیراب کرتا ہے۔

اس نے کہا: ضرور ایسا ہی ہوتا ہے۔

میں نے کہا: کیا تمہاری عقل اور تمہارے حواس جن کے لئے تمہارا دعویٰ ہے کہ تمام

اشیاءانھی سے محسوس ہوتی ہیں تمہیں یہ نہیں بتاتے کہ یہ بادل جوفضاء میں پانی لیے سفر کرتا رہتا ہے یہ ان مقامات پر بھی بارش برساتا ہے جہاں نہروں اور چشموں کا پانی دستیاب نہیں ہوتا۔ایسے مقامات پر بارانِ رحمت ہی کے ذریعے جڑی بوٹیاں سبزیاں اور پیڑ پودے پیدا ہوتے ہیں۔

اب دیکھو! یہ بادل، اس باغ کے مالک کے علاوہ کسی اور کا ہوتا توممکن تھا کہ وہ جب چاہتا بادل کواس باغ میں پانی پہنچانے سے روک دیتا۔

باغ کا مالک اندیشے میں رہتا

باغ کا مالک اپنی مخلوقات (درخت ونباتات) کے متعلق ہروقت اندیشے اورخوف میں مبتلاء رہتا۔ ہروقت ڈرتا رہتا کہ کہیں ایسا نہ ہوکہ پانی کا مالک میرے باغ کے درختوں کا پانی روک دےاورساراباغ سوکھ جائے۔

اس نے کہا: آپ نے جوفرمایا، یہ توبالکل واضح ہے کہ مخلوق کے درمیان ہم آہنگی کا یہ سلسلہ ایک دوسرے سے مربوط ہوا ہے۔

واقعی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے باغِ عالم کو پیدا کیا، اسی نے یہ چشمے اور نہریں بھی جاری کیں۔ بادل بارش اور گھٹاؤں کوبھی اسی نے بنایا ہے، تاکہ اس بات کا خدشہ ہی نہ رہے کہ اس کے باغ کونقصان پہنچ جائے گا، اگر باغ کسی اور کا ہوتا اور پانی کسی اور کا تو سارا وقت اس تردد میں گزرتا۔جیسا کہ دنیا میں دکھائی دیتا ہے کہ جوکسی دوسرے کے کنویں یا تالاب سے اپنا کھیت یاباغ سینچتا ہے، اس کواندیشہ ہی لگا رہتا ہے کہ ممکن ہے اس کا مالک کسی وقت منع کردے کہ تم میرے کنوئیں سے پانی نہ لو۔اسی وجہ سے ہرشخص یہ کوشش کرتا ہے کہ میرا علیحدہ کنواں ہو۔ علیحدہ تالاب ہو، تاکہ دوسرے کواس میں مداخلت کا موقع نہ مل سکے۔

نوٹ: دو اچھے بُرے خدا

قارئین نے محسوس کیا ہوگا کہ امامؑ کی گفتگو کا بنیادی موضوع ایک خالق، ایک رب اور ایک اللہ کے عقیدے، یعنی عقیدۂ توحید کی وضاحت ہے۔ بار بار اس حوالے سے بات کرنے کا ایک سبب یہ بھی رہا ہوگا کہ امامؑ کے عہد میں آتش پرستوں کا فرقہ بھی مسلمانوں کو گمراہ کر رہا تھا۔ آتش پرست دو خداؤں کو مانتے تھے۔ ایک خدا ''اہرمن'' کہلاتا تھا اور دوسرے خدا کو ''یزداں'' کہا جاتا تھا۔ آتش پرستوں کو عقیدۂ تھا کہ بُری چیزوں کو ''اہرمن'' پیدا کرتا ہے اور اچھی چیزیں اچھے والے خدا یعنی یزدان نے پیدا کی ہیں۔

تمام چیزوں کا خالق ایک ہی ہونا چاہیے

یہ بات بھی درست نہیں کہ جس نے اس باغ کو، اس زمین کو اور ان مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کے لئے پانی کے خزانوں کو پیدا کیا وہ کوئی اور ہو، اور جس نے مختلف اقسام کے پھل ان زمینوں میں پیدا کیے ہوں، وہ کوئی اور ہو۔ اسی طرح آسمان اور بادلوں کا خالق ایک ہی ہونا چاہیے تاکہ جس وقت اپنے باغ کو سیراب کرنا چاہے تو باغ، کے تمام پیڑ پودوں اور حیوانات کے لیے پانی جاری کر سکے۔

اس نے کہا: یہ سب باتیں تو میں اچھی طرح سمجھ گیا لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ کوئی دلیل اس کی (یعنی ایک خالق کے ہونے کی) ایسی بیان کیجئے جس سے میرا یقین اور زیادہ ہو جائے اور میرے دل سے شک بھی دور ہو جائے۔

اس ھلیلہ سے وجودِ باری تعالیٰ کو ثابت کروں گا

میں نے کہا: انشاء اللہ میں تمہاری اسی ھلیلہ کے ذریعے سے اور اس کے اس تعلق سے جو اسے اس باغ (اس باغِ عالم) سے حاصل ہے اور جو چیزیں اس کی اسباب آسمانی (مثلاً روشنی، تاریکی، دھوپ، چھاؤں، چاند کی روشنی، زمینی فضاء) سے متصل ہیں ثابت کروں گا، تاکہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ اس ھلیلہ اور ان سارے زمین وآسمان کی تخلیق وتدبیر ایک ہی علیم و حکیم (ذات) کی تدبیر ہے۔

اس نے کہا: آپ اس ھلیلہ کے ذریعے سے کیونکر کوئی ایسی بات بیان کرسکتے ہیں جو (خالق کے بارے میں) میرے شبہے کو دور کرے؟

میں نے کہا: اس کے مصنوعیت کے استحکام اور ترکیب تالیفی (یعنی ھلیلہ میں مختلف عناصر واجزاء کے جمع کرنے) کے اثر اور اس کے شاخ دین (یعنی عقیدہ وجودِ خدا) سے جڑے ہونے اور بعض کا بعض کی طرف محتاج ہونا تمہیں دکھلاؤں گا جن کا اتصال و تعلق سماوی چیزوں (یعنی آسمان سے آنے والی چیزوں) سے ثابت ہوجائے۔

اس نے کہا: اگر آپ یہ ثابت کردیں گے تو پھر مجھ کو کوئی شبہہ نہ رہے گا۔

ھلیلہ کے اردگرد چیزوں کا ایک دوسرے سے تعلق

میں نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ ھلیلہ زمین میں اُگتی ہے، اس کی چھوٹی بڑی ہر طرف کو پھیلی ہوئی جڑیں آپس میں ملی ہوئی ہیں اس بڑی جڑ کا تعلق تنے سے ہے۔ تنے کا تعلق شاخوں سے ہے، شاخوں کا تعلق چوٹیوں سے ہے، چوٹیوں میں غنچے موتیوں کی طرح گندھے ہوئے ہیں اور ان سب کا سرتاسر لباس پتے ہیں اور ان سب کا تعلق، اس سائے سے وابستہ ہے جو سایہ ان (پھل، پھول اور پتوں) کو مختلف موسموں کی زیادہ گرمی یا سردی سے محفوظ رکھتا ہے۔

اس نے کہا: ھلیلہ کے بارے میں تو مجھ پر ثابت ہو گیا کہ اس کی چھال، جڑیں، پتیاں اور اس کے زمین میں اُگنے کی جگہ، سب ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں (یعنی ان سب کی ہم آہنگی سے ھلیلہ کا پھل پیدا ہوتا ہے) اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ان سب کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا ان سب کی خلقت میں اس کا شریک نہیں ہے کیونکہ ان کی صنعت مستحکم ہے اور خلقت کا سلسلہ ایک خاص انداز پر قائم ہے۔ تدبیر وتقدیر سب میں استحکام ہے۔

اللہ کے وجود کا انکار تو نہیں کرو گے

میں نے کہا: اگر میں تمہیں (واضح کر کے) دکھادوں کہ تمام حالتوں میں یہ تدبیرات حکمت واستحکام کے ساتھ ترکیب دی گئی ہیں۔ ان کی صناعی نہایت معتدل ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے اور اس زمین سے متصل ہے جس میں سے یہ ھلیلہ پیدا ہوتا ہے تو کیا تم ان کے خالق کے وجود (یعنی اللہ وحدہ لاشریک) کا اقرار کرلو گے؟

اس نے کہا: تب تو مجھے اس کی وحدانیت (یعنی اس کے ایک ہونے) میں کچھ بھی شبہہ نہ رہے گا۔

اب میری بات غور سے سنو!

میں نے کہا: (اچھا!۔ میری بات کو) غور سے سنو اور جو کچھ میں تم سے بیان کروں اسے اچھی طرح سمجھو۔

کیا تمہیں معلوم ہے کہ:

(۱) تمہاری اس ھلیلہ کا تعلق مٹی سے ہے۔

(۲) اور مٹی کا تعلق حرارت اور برودت (ٹھنڈک) سے ہے۔

(۳) حرارت وبرودت کا تعلق ہَوا سے ہے۔

(۴) ہوا کا تعلق ریح (تند ہوا) سے ہے

(۵) اور ریح کا تعلق بادل سے ہے۔

(۶) بادل کا تعلق بارش سے ہے۔

(۷) بارش کا تعلق فصلوں سے ہے۔

(۸) فصلوں کا تعلق چاند سورج سے ہے۔

(۹) چاند سورج کا تعلق گردشِ آسمان سے ہے۔

(۱۰) اور خود آسمان کا تعلق مابین آسمان و زمین (یعنی اس عظیم کائنات) سے ہے۔

اور یہ (عظیم ترین کائنات) خود ایک عجیب صنعتِ ظاہرہ و حکمت بالغہ و تالیف و تدبیرِ محکم سے متصل ہے۔ یہ سب آسمان و زمین ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی اپنے وقت معین سے پیچھے رہ جائے۔ کیوں کہ اگر ان میں سے کوئی اپنے وقت سے آگے پیچھے ہو جائے تو تمام مخلوقات زمین اور ساری نباتات فنا ہو جائیں۔

اس نے کہا: بیشک یہ تو (اللہ تعالیٰ کے وجود پر) ظاہر علامتیں اور واضح دلیلیں ہیں... لیکن شاید جس کا ذکر آپ نے چھوڑ دیا اس کو کوئی تعلق اور واسطہ ان سب سے نہ ہو۔

میں نے کہا: وہ کیا؟

نوٹ: امامؑ کے درج بالا کلام پر ایک مکمل کتاب لکھی جائے تو وہ بھی کائنات کے بارے میں آپ کے فرمودات کی وضاحت کے لیے ناکافی ہوگی۔ فزکس کے اساتذہ و طلبہ اس کلامِ بلاغت نواز کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

تمام چیزوں کا تعلق انسان ہی سے ہے

اس نے کہا: انسان ..... (یعنی اتنی چیزوں میں آپ نے انسان کا نام نہیں لیا کہ سبب سے مسبب کا معاملہ اس پر کس طرح لاگو ہوتا ہے)

میں نے کہا: کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ان تمام چیزوں کا تعلق انسان (ہی) سے (تو) ہے۔ ان سب کے مدبر حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) نے ان سب کو انسان ہی کے لئے تو مسخر کیا ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اگر کوئی چیز ان میں سے اپنے وقت سے ہٹ جائے تو تمام مخلوقات اور جو کچھ اس باغ (یعنی اس دنیا) کے اندر ہے تباہ و برباد ہو جائے۔ یہ (تمہاری) حلیلہ بھی فنا ہو جائے گی جس میں تمہارے خیال کے مطابق انسانوں کے لئے بہت سے فوائد موجود ہیں۔

اس نے کہا: کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ جس طرح اور باتوں کو آپ نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اسی طرح اپنے اس قول کی بھی تشریح بیان فرمائیں۔

میں نے کہا: ہاں اس بات کو بھی تمہارے حلیلہ سے تمہارے سامنے ثابت کروں گا (اس طرح) کہ تم خود گواہی دو گے کہ یہ تمام چیزیں انسان ہی کے لئے مسخر کی گئی ہیں (یعنی تمام مخلوقات عالم انسان ہی کے لئے بنائی گئی ہیں اور ان سب کا انسان سے اور انسان کا ان سے گہرا تعلق ہے)۔

اس نے کہا: یہ بات آپ نے کیسے کہی؟

آسمان ایک بلند چھت کی طرح بنایا گیا

میں نے کہا: (دیکھو!) اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ایک بلند چھت (کے طور پر) بنایا ہے اگر ایسا نہ ہوتا (یعنی آسمان سطحِ زمین سے بہت قریب ہوتا تو) نزدیک رہنے سے مخلوقات کو گھبراہٹ اور گھٹن کا احساس رہتا۔ آفتاب کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ سب مخلوقات جل جاتیں۔

سورج، چاند، شہاب اور ستارے بھی اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کے لیے پیدا کئے ہیں جن سے خشکی اور تری میں راہ معلوم کی جاتی ہے۔

(یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف ہے کہ صحراؤں اور سمندروں میں سفر کرنے والے رات کو انھی ستاروں کی مدد سے مشرق و مغرب، جنوب و شمال کا اندازہ کرتے ہیں)۔

یہ اُمور عقل سے بھی معلوم نہیں ہو سکتے تھے

اللہ نے ایسے بھی ستارے پیدا کئے جن سے اصل حساب (علوم نجوم) معلوم ہوتا ہے جو حواس کے باطل ہونے اور کسی (ان دیکھے) معلم کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی (معلم/خالق) نے بندوں کو ان کا علم دیا۔ حواس تو کیا، یہ حقائق عقل سے بھی نہیں معلوم ہو سکتے تھے۔ عقلیں بغیر اس کے بتائے ہوئے وہاں تک پہنچ نہیں سکتیں۔ وہی عزیز و جبار ہے جس نے انہیں (یعنی زمین و آسمان اور ان میں موجود مخلوقات کو) حکمت و تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

نوٹ: برج اور سیارے

''ایسے ستارے سے امامؑ کا اشارہ غالباً بروج (Constellations) کی طرف ہے۔ آسمان پر رات کے وقت دکھائی دینے والے ستاروں میں سے بہت سے ستارے مل کر آسمان پر ایک خاص شکل بناتے ہیں۔ مثلاً ''برج اسد'' کے ستارے آسمان پر ایک ''شیر'' کی تصویر یا خاکہ بناتے ہیں۔ بروج ثور کے ستارے ''بیل'' کی شکل بناتے ہیں۔ برج حوت کے ستارے ''دو مچھلیوں'' کی سی شکل میں ہوتے ہیں یہ کل 12 بروج ہیں۔ واضح رہے کہ یہ تمام ستارے ہیں اور آسمان دنیا سے لاکھوں نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں۔

جب کہ آپ علم نجوم کے حوالے سے ''حاکم سیارہ'' کی اصلاح پڑھتے ہیں تو اس سے مراد سورج، چاند، عطارد، مشتری، یورانس اور پلوٹو وغیرہ نامی سیارے ہوتے ہیں اور یہ نظام شمسی میں پائے جاتے ہیں۔ یہ سیارے نظام شمسی کا حصہ ہیں اور برج کے ستاروں کی نسبت یہ سورج چاند اور نظام شمسی کے دوسرے سیارے زمین سے بہت

قریب ہیں۔ بُرج والے ستاروں اور نظام شمسی کے سیاروں کے درمیان ایک اَن دیکھا رشتہ موجود ہے جس کے سبب ماہرین علم نجوم ہر آدمی کی شخصیت اور آئندہ زندگی کے حالات کی (غلط یا صحیح) پیش گوئیاں کرتے ہیں۔ علم نجوم کے مطابق انسانوں اور ملکوں کے حالات میں اچھی یا بری تبدیلیاں انہی ستاروں اور سیاروں کی پوزیشن میں تبدیلی آنے سے منسلک ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کو ستاروں کے اثرات کے بجائے ان ستاروں اور برجوں کے خالق یعنی اللہ ربِّ کریم پر یقین بھروسا اور اعتماد کرنا چاہیے۔ یہ ستارے برج اور ان کے اثرات تو اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ سی مخلوق ہیں۔

❁..............................❁

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

(اللہ نے) ان میں ایک چراغ (آفتاب) اور روشن چاند بنایا ہے جو فضائے آسمانی میں تیرتے رہتے ہیں۔ وہ (خالق و مدبّر کائنات) کبھی ان دونوں کو طلوع کرتا ہے اور کبھی غروب کرتا ہے۔ روز و شب کی بنیاد پر دن، مہینے اور سال قائم کئے گئے ہیں جو (موسموں کے بدلنے یعنی) سردی، گرمی، بہار اور خزاں کا سبب ہیں اور انسانوں کے لیے (مختلف) کاموں کے مختلف زمانے ہیں۔

ان کی اصل رات اور دن ہیں جن میں سے اگر ایک بھی اہل دنیا پر ہمیشہ رہتا تو انسانوں کی زندگیاں کبھی قائم نہ رہتیں۔

دن کو روشن اور رات کو آرام کا وقت بنایا

لہٰذا ان چیزوں کے خالق اور مدبّر نے دن کو روشن قرار دیا اور رات کو آرام کا وقت بنایا۔ ان کے اندر حرارت و برودت (ٹھنڈک) نازل فرمائی (دن میں حرارت، رات میں ٹھنڈک) یہ دونوں باہم متضاد چیزیں ہیں۔ انہی دونوں میں سے کوئی ایک ہی مسلسل قائم رہتی، تو نہ درخت اُگتے، نہ پھل پیدا ہوتے، اور تمام مخلوقات فنا ہو جاتیں۔

نوٹ: زمین اور سورج

سائنس دانوں نے مصنوعی سیاروں، خلائی جہازوں اور خلاء میں گردش کرتی ہوئی دوربینوں کی ایجاد کے بعد معلوم کیا ہے کہ زمین اور سورج کے درمیان جس قدر فاصلہ ہے وہ زمین پر زندگی کی نشوونما کے لیے ناگزیر تھا۔ اس فاصلے کے برعکس سورج زمین سے زیادہ فاصلے پر ہوتا تو زمین برف کے سیارے میں تبدیل ہوجاتی اور اگر اس سے زیادہ قریب ہوتا تو سلگتے ہوئے شعلے کی طرح ہوجاتی اور دونوں صورتوں میں زمین پر زندگی کا نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ان ہی کائناتی حقائق کو سن دو ہجری میں بیان فرمارہے ہیں۔ اس زمانے میں سائنس دان تو کیا سائنس کی اصطلاح بھی موجود نہیں تھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ان (زمینی) مخلوقات کی زندگی کا دارومدار چلنے والی ہوا پر ہے، جو چاروں طرف پھیلی ہوئی بنائی گئی ہے۔ جب ٹھنڈی ہوتی ہے تو سانسوں کو خنکی دیتی ہے، جب گرم ہوتی ہے تو (مخلوقات) کے اجسام میں قوتِ نمو پیدا کرتی ہے اور ان کے اجسام اور معاش کی چیزوں سے ضرر و نقصان کو دور کرتی ہے۔

بکھری ہوئی چیزیں سمٹ آتی ہیں

(یہ ہوا) جب مرطوب ہوتی ہے تو انسانوں اور دوسری مخلوقات کی طبیعتوں میں رطوبت پیدا کرتی ہے۔ جب یہ ہوا خشک ہوتی ہے تو اجسام کی رطوبتوں کو جذب کرتی ہے۔ اسی

سبب سے پراگندہ چیز سمٹ آتی ہے (مثلاً پیڑ پودوں کے اندر غذائی اجزاء جو انسانوں کی غذا کا ناگزیر حصہ ہیں سمٹ کر پھلوں اور اناجوں کی شکل اختیار کرتے ہیں) اور چھایا ہوا ابر فضائے آسمانی میں پھیل جاتا ہے پھر جس طرح اس کا مدبّر (یعنی اللہ تعالیٰ) چاہتا ہے اسے (بادلوں کو) ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔

نوٹ: یعنی پانی تو فضاء میں موجود ہوتا ہے لیکن جب اللہ چاہتا ہے تو فضا میں موجود آبی بخارات بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور جب وہ چاہتا ہے یہ بادل آسمان سے غائب ہو جاتے ہیں۔ بارش کے برسنے سے معاش کا تعلق ہے، معاش سے رزق کا، تو یہ بارش ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق کچھ خاص فائدوں یا نقصان کے لیے آسمان سے برستی ہے۔
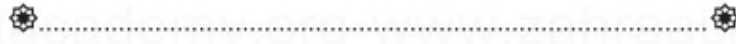
زمین کو مخلوقات کے رہنے کے لیے بنایا

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت کو اس کے خاص زمانے اور وقت پر اس زمین پر نازل کیا جس میں بنی آدم کو خلق فرمایا۔ اور زمین کو فرش اور گہوارہ بنایا ہے اور اس زمین کو اس بات سے روکا ہے کہ (مخلوقات سمیت) الٹ نہ جائے (اس مقصد کے لیے اس نے) زمین پر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں اور اس میں سے چشمے نکالے جو زمین پر بہتے اور نباتات کو اُگاتے ہیں، جن کے بغیر نہ تو مخلوقات زندہ رہ سکتی تھیں نہ یہ باغِ جہاں ہی قائم رہ سکتا تھا۔ اور نہ انسانوں ہی کے زندہ رہنے کا کوئی اور بندوبست ہو سکتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی (اس اللہ تعالیٰ نے) سمندر (اور بڑے بڑے دریا) بھی پیدا کئے جن میں لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر سفر کرتے ہیں، اور ان سمندروں سے آرائش کی چیزیں

(موتی مونگے وغیرہ) نکالتے ہیں۔ جن کو پہنتے ہیں اور دریا اور سمندر سے تازہ گوشت وغیرہ حاصل کرتے ہیں۔

دو خالق ہوتے تو سلسلہ حیات میں اختلاف پیدا ہو جاتا

اس سے معلوم ہوا کہ خشکی (یعنی زمین) اور تری (یعنی سمندر) ، آسمان اور زمین اور ان کے درمیان چیزوں کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے جو زندہ و قائم ، مدبر و حکیم ہے اور یہ کہ اگر اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہوتا، تو اس پورے سلسلہ حیات میں اختلاف پڑتا۔ (اس کے برعکس تم دیکھتے ہو کہ اس دنیا (کرہ ارض)اور اس عظیم کائنات کا سارا نظام لاکھوں کھربوں سال سے اسی طرح قائم ہے)۔

اسی طرح آسمان ، اس زمین کی نظیر ہے (یعنی زمین اور آسمان دونوں مل کر اللہ کے حکم کے مطابق) طرح طرح کی دانے ، انگور ، نباتات ، تازہ زیتون ، کھجوروں کے درخت ہرے بھرے باغات ، میوے ، سبزہ زار ، ایک روشن اور واضح بین تالیف و ترکیب کی تدبیر سے کلیوں اور پھلوں کی صورت میں پیدا کرتے ہیں۔

بنی آدم کی زندگی اور ان کے جسموں اور ان کے چوپایوں کی بقائے حیات کے لئے جن کے بالوں ، اونوں اور لمبی لمبی جٹوں سے سامانِ خانہ اور دوسری ضروری چیزیں ایک وقت معین تک کے لئے بنائی جاتی ہیں اور ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے (انسان ہی ان چوپایوں کی) پشت پر سوار ہوتے ہیں ، یہ انسان کی زندگی بسر کرنے کے ایسے اسباب ہیں جن کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔

اسی طرح (اگر اور باتوں سے ناواقف رہو تو رہو مگر) اس حقیقت سے ناواقف نہ رہنا کہ زمین پر دو قسم کی (ذی حیات) چیزیں ہیں۔ ایک وہ جو پیدا ہوتی ہیں۔ دوسری وہ جو اگتی ہیں۔ (یعنی ایک تو وہ ہیں جن میں توالد و تناسل کا سلسلہ قائم ہے۔ جیسے حیوانات ... دوسری وہ جو

زمین سے اُگتی ہیں جیسے نباتات واشجار) ایک ان میں کھانے والا ہے (یعنی حیوانات) اور دوسرا ان میں سے خوراک ہے۔ (یعنی اناج، پھل، گھاس)۔

انسانی جسم اور غذا میں ہم آہنگی

اس کے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی غافل نہ رہنا کہ وہی (خدائے تعالیٰ) آدمیوں کا بھی خالق ہے۔ وہ آدمی کی ساخت۔ اس کے جسم کا کھانے کی خواہش کے لئے تیار رہنا، اور معدے (اور پورے نظام ہضم) کا موجود ہونا، جو کھائی ہوئی چیزوں کو پیس سکے اور دورانِ خون کی رگوں کے راستے ،جن سے چھنی چھنائی غذا (غذا کا جوہر جسم کے اندر) جا سکے اور فاضل و فاسد مادوں کے اخراج کے لیے آنتوں کا ہونا ہے۔

مخلوقات اور ان کی غذا میں یہ ہم آہنگی بتا رہی ہے کہ جس (ذات) نے ان نباتات اور سبزیوں وغیرہ کو پیدا کیا ہے اسی نے ان کے کھانے کے واسطے انسانوں کو بھی پیدا کیا ہے کیونکہ انسانوں کے جسم اور نظام ہضم کی ساخت خاص طور پر ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ ان طرح طرح کے اناجوں، پھلوں، سبزیوں (دودھ) اور گوشت کو استعمال کر سکیں۔

اگر خوردنی چیزوں (غذاؤں) کا خالق کوئی اور ہوتا (اور حیوانات وانسان کا خالق کوئی اور) تو ان اجسام کو اس طرح کا نہ بناتا جن میں غذا کی خواہش رکھی گئی ہے اور نہ مخلوقات کو اس پر قدرت حاصل ہوتی (کہ وہ اپنی غذا اتلاش کر سکیں)۔

اگر اشجار و نباتات کسی اور کے ہوتے

کیونکہ جب نباتات واشجار کسی دوسرے کے ہوتے تو بھلا وہ (ایک خالق) اپنی پیدا کی ہوئی چیزیں، دوسرے (خالق) کی مخلوقات کو کھانے کو کیوں دیتا، اور اگر پہلا والا خالق

دوسرے والے کی چیزوں میں سے (اپنی مخلوقات کو) زبردستی کچھ کھلاتا تو پھر خوب ہی فساد برپا ہوتا۔ دوسرا والا خالق کہتا میرا اناج اپنے پیدا کئے آدمیوں کو کیوں کھلا دیا۔ میری بنائی ہوئی گھاس اپنے حیوانات کو کیوں کھلائی؟

اس نے کہا: آپ نے سب کچھ اسی طرح بیان فرمایا ہے کہ میں جان گیا ہوں کہ یہ تدبیریں کسی ایک ہی مدبر حکیم، لطیف، قدیم وعلیم کی ہیں۔ اب میں ایمان لاتا ہوں کہ خالق ایک ہی ہے۔ میں اس کی تسبیح کرتا ہوں اور اس کی حمد بیان کرتا ہوں۔

کیا زہر بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں؟

البتہ مجھے مار ڈالنے والے زہروں کے بارے میں شک رہ گیا کہ کیا انہیں بھی اسی (خالق) نے پیدا کیا ہے (یا کسی اور نے) کیونکہ یہ صرف نقصان دہ ہیں۔ ان کے پیدا کرنے میں کیا فائدہ؟

(اس کا خیال تھا کہ شاید زہروں کو خدائے واحد نے نہ پیدا کیا ہو، ممکن ہے ان زہروں کا خالق کوئی اور ہو)۔

میں نے کہا: کیا تم پر یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ یہ زہر بھی سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی اور نے نہیں بنائے؟

اس نے کہا: ہاں... لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ تمام مخلوقات اسی کے بندے ہیں، اسے یہ زیبا نہیں تھا کہ اپنی مخلوق کے درمیان نقصان پہنچانے والی چیزیں بھی پیدا کرے۔

میں نے کہا: میں تمہیں ایک ایسی چیز دکھاؤں (یعنی ایسی حقیقت بتاؤں) جس سے تم ساری بات سمجھ جاؤ گے اور اسے میں تمہارے اس ھلیلہ اور تمہارے علمِ طب کے حوالے ہی سے بیان کروں گا۔

اس نے کہا: فرمایئے......

میں نے کہا: کیا تمہارے علم میں کوئی ایسی بھی نبات (سبزی، ترکاری، جڑی بوٹی) ہے جس میں خلق کو کچھ نقصان نہ پہنچتا ہو؟

اس نے کہا: جی بالکل ہیں۔

میں نے کہا: وہ کیا؟

اس نے کہا: یہی کھانے (اور غذائیں)

میں نے کہا: تو کیا یہ غذائیں (جن کی طرف تمہارا اشارہ ہے اکثر) رنگ کو بدل نہیں دیتیں، بیماریاں نہیں پیدا کرتیں؟ کیا انہی غذاؤں سے جذام، برص، سل، (ٹی بی) زہر خورانی (Food Poisoning) وغیرہ جیسی مہلک بیماریاں نہیں پیدا ہوتیں؟

نوٹ: غذا کوئی بھی ہو گوشت، سبزیاں، پھل ان سے کسی کو بھی براہ راست خون میں شامل کر دیا جائے تو انسان چند منٹوں میں مر سکتا ہے۔ یہ ہمارا نظام ہضم ہے جس سے گزر کر یہ غذا ہمارے لیے حیات آفریں ہو جاتی ہے۔ ہمارا جگر غذاؤں کے زہریلے اثرات کو دور کرتا ہے۔ البتہ یہ بات بھی قارئین جانتے ہیں کہ یہی غذائیں بے شمار بیماریوں کا سبب بھی بنتی ہیں مثلاً مرغن غذاؤں سے بلڈ پریشر، یورک ایسڈ، خون کی نالیوں کے سخت ہو جانے جیسے مسائل انہی غذاؤں کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔

اس نے کہا: ہاں! ایسا تو ہوتا ہے۔

میں نے کہا: اس طرح تمہاری یہ دلیل تو ٹوٹ گئی۔

اس نے کہا: جی بالکل

میں نے کہا: اچھا، تم کسی ایسی جڑی بوٹی کو جانتے ہو، جس میں کوئی فائدہ ہی نہ ہو؟

اس نے کہا: ہاں۔

میں نے کہا: وہ کیا؟

اس نے کہا: (اس کا ترجمہ موجود نہیں ہے)

میں نے کہا:

تو کیا وہ ان دواؤں میں نہیں ڈالی جاتی جن سے جذام و برص وغیرہ کی بیماریاں دفع ہوتی ہیں۔ یہ درد کو دور کرتی ہے۔ بیماری کو بھی دفع کرتی ہے، تم تو خود اسے خوب اچھی طرح جانتے ہوں گے، کیونکہ عرصے تک (لوگوں کا علاج) معالجہ کرتے رہے ہو۔

اس نے کہا: بیشک ایسا ہی ہے۔

زہر کے اثرات کو کس دوا سے دور کرتے ہیں؟

میں نے کہا: اب مجھے وہ دوا بتاؤ جو تمام زہروں کے دفع کرنے میں بڑا اثر رکھتی ہو۔ کیا یہ صفت تریاق میں نہیں ہے؟

اس نے کہا: ہاں! وہ ان سب دواؤں کی سردار ہے۔ سانپ کے کاٹنے، کیڑے مکوڑوں کے ڈنک مارنے کے موقع پر اور زہریلی چیزوں کے کھا لینے کے وقت سب سے پہلے اسی تریاق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

میں نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ترکیب تریاق کی ادویہ مرتفع (غالباً اس سے وہ دوائیں مراد ہیں جنہیں اُبال کر ان کے بخارات کو جمع کیا جاتا ہے) ادویہ محرقہ (وہ جڑی بوٹیاں جنہیں جلا کر نسخے میں استعمال کیا جاتا ہے) میں یہ بات ضرور ہے کہ انہیں بڑے زہریلے سانپوں کے گوشت کے ساتھ پکاتے ہیں۔

نوٹ: سانپ کے زہر کی ویکسین

آج بھی سانپ کے کاٹے کی ویکسین سانپ کے زہر ہی سے تیار کی جاتی ہے۔ اس طرح بہت سے وہ جاندار جو بے حد زہریلے ہوتے ہیں مثلاً زہریلی مکڑیاں، کن کھجورے، بچھو، زہریلے مینڈک اور دوسرے زہریلے کیڑے مکوڑے، ان کے زہر سے درد اور زہر کے اثرات کو دور کرنے والی بہت ساری دوائیں تیار کی جاتی ہیں حتیٰ کہ بہت سے زہروں سے کینسر کے علاج پر تجربات کیے جا رہے ہیں۔
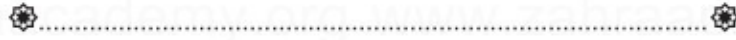
"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ"

اس نے کہا: جی ہاں! ایسا ہی ہے...... تریاق تو فائدے پہنچانے والا ہوتا ہے، مار دینے والے زہر کے اثرات اس کے بغیر دور ہی نہیں ہو سکتے...... میری یہ دلیل بھی ٹوٹ گئی۔ اب تو میں گواہی دیتا ہوں کہ

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ"

(کوئی معبود برحق سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں)

اور (گواہی دیتا ہوں کہ) قاتل زہروں، دشمن کیڑوں اور تمام نباتات و اشجار کو اُسی (اللہ) نے پیدا کیا ہے، وہی اُن کو پیدا کرنے اور اُگانے والا ہے، وہی اجسام کا پیدا کرنے والا، وہی ہواؤں کا چلانے والا، اور اَبر کو مسخر کرنے والا ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں

اور (میں گواہی دیتا ہوں) کہ وہی ان بیماریوں کا بھی پیدا کرنے والا ہے جو انسان

کے بدن میں پیدا ہوتی ہیں جیسے وہ زہریلے مادے جو کہ اس کے مختلف اعضاء اور ہڈیوں اور امراض کے ٹھہرنے کے مقامات (رگوں وغیرہ) سے خارج ہوتے ہیں۔ (مثلاً وہ فاسد مادے انسان کے خون میں موجود ہوتے ہیں۔ یہ خون کی رگوں سے گزرتے رہتے ہیں اور اکثر کئی جگہ جمع بھی ہوتے رہتے ہیں اور بیماریاں پیدا کرتے ہیں)

وہی جسم میں خون کو جاری کرنے والا ہے

(وہی) اللہ اُن دواؤں کا بھی خالق ہے جو بیماریوں کو دور کرتی ہیں۔ وہی روح کا خالق، اور وہی (جسم میں) خون کو جاری کرنے والا ہے (وہی جانتا ہے کہ) خون کی کتنی کتنی مقدار کن کن رگوں میں تقسیم ہوتی ہے کیونکہ اس کو (یعنی دورانِ خون کو) اعضاء اور اعصاب اور بدن سے اتصال و تعلق ہے۔ (تمام اعضاء و اعصاب اور پورا جسم دورانِ خون کے رواں دواں رہنے سے باقی رہتا ہے)

وہی اس بات کو جانتا ہے کہ حرارت و برودت میں کون سی شئے اس جسم کی اصلاح کرنے والی ہے۔ وہی ہر عضو کی اندرونی ساخت، حالت اور کارکردگی کو جانتا ہے۔

اسی نے ستاروں کا نظام پیدا کیا ہے

بیشک وہی ہے جس نے ان ستاروں اور ان کے نظام کو قائم کیا ہے، وہی ان کو جانتا ہے، وہی ان میں سے سعد و نحس اور اُن توالید (یعنی پیدا ہونے والے اثرات) کا بنانے والا ہے جو اِن ستاروں کے سبب انسان پر مرتب ہوتے ہیں۔

اور (میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں) کہ تدبیر ایک ہی ہے کچھ بھی اختلاف نہیں ہے جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان ہے اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے صفاتی پر گفتگو

اچھا، اب آپ یہ بتائیے کہ آپ کیوں کہتے ہیں کہ وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی لطیف وخبیر ہے وغیرہ وغیرہ۔

میں نے کہا: وہی ''اول'' ہے، کسی قسم کی کیفیت اس میں نہیں پائی جاتی (وہ ہمیشہ سے ہے) اور ''آخر'' ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کا کوئی مثل نہیں۔ اس نے اشیا کو خلق فرمایا، مگر نہ کسی چیز سے اور نہ کسی کیفیت سے (خلقت کائنات سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا سب کچھ اس کے حکم "کن" سے عدم سے وجود میں آیا)۔ یعنی خلقت زمین وآسمان میں اسے کسی قسم کی محنت و شفقت نہیں کرنا پڑی اس نے اس کائنات کو بغیر تکلیف اٹھائے، بغیر کسی پیشگی تیاری اور غور کیے، اور بغیر کسی کیفیت کے پیدا کیا۔

کیفیت اس کی مخلوق پر طاری ہوتی ہے

جبکہ وہ خود ایسا ہے کہ اس کی کوئی کیفیت نہیں، "کیفیت" دراصل اس کی مخلوق ہے اور مخلوق پر طاری ہوتی ہے۔ (کیونکہ جس قدر کیفیات ہیں مثل گرمی، سردی، سختی، نرمی، غصہ، بیزاری، مٹھاس کھٹاس، نمکین، کڑواہٹ، سرخی، سبزی، زردی، خوشی، غم وغیرہ وغیرہ سب مخلوقات کی کیفیتیں ہیں، نہ کہ خالق کی۔ کیونکہ وہی سب سے اول ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں، نہ اس کا کوئی مانند ہے، نہ کوئی اس کا مخالف نہ مثل۔

وہ آنکھ سے دکھائی نہیں دیتا، چھونے سے محسوس نہیں ہوتا۔ اپنی مخلوقات کے ذریعے سے پہچانا جاتا ہے (یعنی مخلوقات ومصنوعات عالم کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ضرور ان کا خالق ہوگا) تبارک وتعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کو ''قوی'' کیوں کہتے ہیں؟

اس نے کہا: اب مجھ سے اس کی قوت کو بیان کیجئے (یعنی خدا کو 'قوی'' کیوں کہتے ہیں؟)

میں نے کہا: معبود (حقیقی) کو 'قوی'' اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس نے بڑی عظیم الشان مخلوقات، مثلاً زمین اور اس پر جو پہاڑ، سمندر، ریت، درخت ہیں اور جو مخلوقات اس پر متحرک ہیں۔ مثلاً انسان، حیوانات، ہواؤں کے جھونکے، ابر مسخر جو بہت سا پانی لئے ہوئے فضا میں موجود رہتا ہے، سورج، چانداور ان کی عظمت اور ان کی روشنی کی عظمت جس کی حد وانتہا تک چشم تصور نہیں پہنچ سکتی اور چلنے والے ستارے، گردش کرنے والا آسمان، یہ عظیم الشان کہکشاں فلک الافلاک، یہ آسمان جو ہمارے سر کے اوپر ہوا میں قائم ہے۔

ان کے علاوہ پھیلی ہوئی زمین اور جو اس پر گرانبار (وزن رکھنے والی) بے شمار مخلوقات ہیں اور باوجود اس قدر بوجھ (وزن) کے یہ زمین اپنی جگہ پر برقرار ہے، ذرا نہیں ہلتی۔ ہاں کبھی اس کا ایک حصہ (زلزلے کے سبب) ہل جاتا ہے۔

مگر زمین کا دوسرا گوشہ ویسا ہی قائم رہتا ہے۔ کبھی ایک حصہ اندر کو دھنس جاتا ہے اور دوسرا اسی طرح ثابت رہتا ہے (یہ سب مظاہر قدرت اسی نے) پیدا کئے ہیں۔ اپنی اسی قدرت کاملہ سے وہ ہمیں اپنی بے پناہ قوت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اور اپنے ان افعال سے اپنی معرفت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لئے اس کو قوی کہا گیا۔ نہ اس قوت کے معنی میں جو مخلوقات میں پائی جاتی ہے (کیونکہ ہماری قوت جسم پر موقوف ہے اور خدائے تعالیٰ کے جسم ہی نہیں ہے)۔

اس کی قوت اگر مخلوقات کی قوت کے مشابہہ ہوتی تو اس کی تشبیہ ہوسکتی تھی اور پھر اس میں زیادتی کا بھی احتمال ہوتا اور جس میں زیادتی کا احتمال ہوتا ہے وہ ناقص ہے (کیونکہ اضافہ ناقص ہی چیز میں ہوسکتا ہے) اور جو شے ناقص (کم) ہے وہ کامل (پوری) نہیں ہے بلکہ عاجز و کمزور ہوتی ہے۔ اللہ عزوجل کی ذات کو اسی لیے کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی کہ وہ اِس جیسا

ہے یا فلاں جیسا ہے۔

ہم نے اللہ کو اس سبب سے "قوی" کہا ہے کہ اس نے عظیم الشان قوت والی مخلوقات پیدا کیں۔

عظیم، کبیر

اسی طرح جب ہم اللہ تعالیٰ کو **عظیم** اور **کبیر** کہتے ہیں (تو اسی وجہ سے کہ اس نے ایسی باعظمت اور بڑی بڑی چیزیں پیدا فرمائیں (مثلاً سورج، چاند، زمین، ستارے، بیماریاں۔ انسانوں کے درمیان اور دوسری مخلوقات کے درمیان ہم آہنگی (ہر انسان کی الگ الگ تقدیر) لیکن اللہ تعالیٰ کو ان ناموں (یعنی ان مخلوقات) سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔

یعنی اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جیسے کسی بڑے درخت کو عظیم الشان کہتے ہیں اس کی لمبائی یا موٹائی کی وجہ سے، اسی طرح خدائے تعالیٰ بڑا لمبا چوڑا، موٹا تازہ ہوگا۔ یا جیسے کسی پہلوان کو اس کی قوت کی وجہ سے قوی کہتے ہیں اسی طرح خدائے تعالیٰ میں بھی بہت زیادہ قوت ہوگی جس سے اس کو قوی کہا گیا ہے۔

سمیع و بصیر و عالم

اس نے کہا: اچھا خود اس نے اپنے آپ کو **سمیع و بصیر و عالم** کہا ہے۔ اس میں آپ کی کیا رائے ہے (یعنی کیا اس کے کان ہیں جن سے سنتا ہے؟ یا آنکھ ہے جس سے دیکھتا ہے؟

میں نے کہا: اس خدائے تعالیٰ کے (یہ) نام اس وجہ سے قرار پائے کہ اس کے سامنے کوئی چیز مخفی نہیں ہے جسے (ہماری) آنکھیں دیکھ سکیں (یا نہ دیکھ سکیں)، خواہ چھوٹا جسم ہو یا بڑا، باریک ہو یا موٹا۔ ہم اسے ان معنوں میں **بصیر** نہیں کہتے کہ وہ بھی مخلوقات کی طرح

آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

اسے سمیع اس وجہ سے کہا گیا، کہ کوئی سے تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی، مگر یہ کہ وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی، مگر یہ کہ وہ چھٹا ہوتا ہے، اور نہ ان سے کم اور زیادہ کی سرگوشی، مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

یعنی جب تین آدمی بیٹھ کر راز و رموز کی باتیں کرتے ہوں تو بھی پروردگار ان باتوں کو جان لیتا ہے۔ چار آدمی آہستہ باتیں کریں وہ بھی اسے معلوم ہوتی ہیں۔ غرض کتنے ہی آدمی کم ہوں یا زیادہ۔ کتنا ہی آہستہ کلام کریں۔ وہ سب سنتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو سمیع کہا گیا ہے۔ وہ تو ایسا سننے والا ہے کہ انسان کے ذہن میں آنے والے تصورات وخیالات تک کو ''سن'' لیتا ہے۔ حتیٰ کہ زبان سے ادا ہونے والا لفظ زبان پر آنے سے پہلے ہی اُس کے علم میں ہوتا ہے۔

اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

وہ چکنے پتھر پر چیونٹی کے چلنے کی آواز اور ہوا میں پرندوں کے پروں کی سرسراہٹ کو سن لیتا ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی چیز جسے لوگوں کے کان اور آنکھیں محسوس کر سکتے ہوں اور نہ وہ جنہیں انسان محسوس بھی نہ کر سکتے ہوں۔ وہ چیز خواہ موٹی ہو یا پتلی، بڑی ہو یا چھوٹی۔

دیکھو! اسے ان معنوں میں اسے سننے والا (سمیع) نہیں کہتے کہ جس طرح انسان سنتے ہیں، اسی طرح اللہ سنتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔

اسی طرح اس کو علیم بھی اس وجہ سے کہا گیا کہ وہ کسی چیز سے ناواقف نہیں ہے۔ زمین وآسمان کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ حاضر ہو یا غائب۔ اور یہ کہ اگر موجود ہوتی تو کیونکر ہوتی (وہ شے کی ہر حالت کو جانتا ہے۔ وجود میں آنے سے پہلے بھی اور فنا ہو جانے کے بعد بھی ہر شئے اس کے علم میں ہوتی ہے)۔

ہم ان معنوں میں اسے علیم نہیں کہتے کہ اس میں قوت غریزیہ ہے، جس کے ذریعے سے اسے علم حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ مخلوقات میں یہ ایک قوت ہوتی ہے جس کو ہم قوت غریزیہ کہتے ہیں جس کے ذریعے سے انسان کو کسی شئے کا علم ہوتا ہے۔

خدائے تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو علیم کہا ہے تو وہ اسی معنیٰ میں ہے نہ کہ ان معنی میں جو مخلوقات میں پائے جاتے ہیں۔ پس معزز ہے وہ جس کی صفات اس کی ذات سے علیحدہ نہیں۔

(یہ معنی ہیں علیم وسمیع وبصیر کے) اگر یہ معنیٰ نہ ہوں تو خود اس کے اور اس کی مخلوقات کے درمیان کچھ فرق ہی نہ رہے۔ وہی پاک ہے اور اس کے نام مقدس ہیں۔

اس نے خود کو ''لطیف'' کیوں کہا؟

اس نے کہا: یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ میں اسے سمجھ گیا مگر میری عرض یہ ہے کہ آپ مجھے اس طور پر بتائیں جس سے میں کسی موقع پر (دوسروں کو) جواب دے سکوں۔ آپ مجھے تعلیم فرمائیں تاکہ میں اسے خوب یاد کرلوں کہ آپ کی رہنمائی کسی سرکش، مخالف اور کسی شک وشبہے میں مبتلا آدمی یا کسی طلبگار حق کے لئے دلیل ہو سکے، اور جو لوگ ہمارے موافق ہوں ان کے لئے زیادتی ایمان کا ذریعہ بن سکے۔

تو آپ مجھے یہ بتایئے کہ اس نے خود کو "لطیف" کیوں کہا ہے۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ یہ صفت ان افعالِ لطیفہ کے سبب ہے جو اس سے ظہور میں آئے ہیں لیکن میں اُمید کرتا

ہوں کہ آپ اپنے بیان کی بہتر تشریح فرمائیں گے۔

میں نے کہا: ہم نے اسے "لطیف" اس وجہ سے کہا ہے کہ اس نے لطافت اور باریکیوں کے ساتھ مخلوقات کو پیدا کیا ہے اور نیز اس وجہ سے کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی ہر لطیف شئے کو جانتا ہے۔ خواہ مچھر ہو یا چیونٹی یا اس سے بھی صغیر الجسم مخلوق ہو جسے نہ آنکھ سے دیکھا جا سکے اور نہ اس کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے عقل ہی اس کے کان اور آنکھ کو معلوم کر سکے۔ جس کی چھوٹائی کی وجہ سے یہ نہ معلوم ہو سکے کہ نر کون ہے اور مادہ کون ہے۔ نیا بچہ کون ہے اور پرانا باپ کون ہے۔ (جیسے کہ وائرس اور بیکٹیریا نامی نادیدہ جراثیم میں ہوتا ہے مگر) خدائے تعالیٰ ان سب (لطیف) باتوں کو جانتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو **لطیف** کہا گیا۔ لطیف خلقت کے ساتھ پیدا کرنے کی وجہ سے اسے ''لطیف'' کہتے ہیں۔ تو جب ہم نے اس کی خلقت میں اس کی لطافت، باوجود ان حیوانات کے صغیر الجثہ (چھوٹا) ہونے کے دیکھی، اور دیکھا کہ ان (چھوٹے چھوٹے ذی حیات) میں (ایک خاص طرح کی) عقل بھی پائی جاتی ہے۔

❁...❁

نوٹ: جسم کے خلیے

اس کی قریب ترین مثال انسانی جسم کے خلیے (Cell) ہیں جو اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ پن کے سرے (Head) پر 10 لاکھ خلیے سما سکتے ہیں۔ ان میں سے ہر خلیہ ایک کمپیوٹر کی مانند ہوتا ہے اور اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق کام کرتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر شے نادیدہ ذرات ہی سے وجود میں آتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ذرے یا ایٹم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے کس طرح کے دوسرے ایٹم سے ملنا ہے اور کس سے دور رہنا ہے۔ تو ہم نے جان لیا کہ ان کا خالق بھی "لطیف" ہے۔ اس لطیف خلقت کے پیدا کرنے کی وجہ سے جس طرح ہم اس کو ''قوی''

کہتے ہیں، عظیم الجثہ چیزوں کے پیدا کرنے کی وجہ سے۔

آدمی اور خدا میں کیا فرق رہا؟

اس نے کہا: آپ نے جو کچھ بیان کیا وہ تو واضح ہے لیکن انسانوں کے لئے یہ کیوں جائز ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ہیں، وہی (نام وہ) اپنے بھی رکھ لیں۔ یعنی انسانوں کو بھی قوی کہتے ہیں، خدا کو بھی قوی کہتے ہیں انسان کو بھی سمیع یا بصیر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بھی سمیع و بصیر کہتے ہیں پھر آدمی میں اور خدا میں کیا فرق رہا؟

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ جل شانہ و تقدست اسمائہ نے آدمیوں کے لئے ان ناموں کو جائز قرار دیا ہے اور یہ نام انہیں بخش دیے ہیں (دیکھو) کہ کوئی شخص کسی ایک چیز کو "واحد" کہتا ہے اور خدا کو بھی واحد کہتا ہے۔ کسی کو قوی کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی "قوی" ہے۔ کسی کو کہتا ہے فلاں شخص صانع (کاریگر) ہے اور اللہ تعالیٰ بھی صانع ہے

(کیونکہ ساری کائنات اس کی مصنوعات سے بھری ہوئی ہے۔ اللہ کے سوا جو کچھ ہے اس کی صنعت اور اس کی مخلوق ہے)۔ کسی کو وہ کہہ کر پکارتا ہے رزّاق اور خدا کو بھی کہتا ہے اللہ رازق ہے، وغیرہ وغیرہ۔

پس جو شخص انسان کو واحد کہتا ہے وہ تو اس کا نام ہے اور اس کی شبیہہ بھی موجود ہے اور خدائے تعالیٰ کو جو **واحد** کہتے ہیں، تو **واحد** اس کا اسم صفاتی ہے مگر کوئی شے واحد ہونے کے معنی میں اللہ سے منسوب صفت جیسی واحد اور نہ اس کے مشابہہ و مانند ہے۔

اور یہ جو نام ہیں ان کو تو صرف مسمیٰ (شخص پر) دلالت کرنے کے واسطے ہم لوگوں نے بنایا ہے کیونکہ ہم انسان کو واحد (اکیلا) دیکھتے ہیں اور اسی وقت اس کو واحد کہتے ہیں جبکہ وہ اکیلا ہو۔

انسان حقیقت میں واحد نہیں ہے

اگرچہ تم جانتے ہو کہ انسان فی نفسہ، واحد المعنی نہیں یعنی وہ ایک نہیں ہے کیونکہ اس کے مختلف اعضاء ہیں، اس کے اجزائے بدن برابر نہیں ہیں۔ اس میں خون ہے جو علاوہ گوشت کے ہے۔ اس میں ہڈیاں ہیں جو علاوہ پٹھوں کے ہیں۔ اس کے بال ہیں جو علاوہ خون کے ہیں۔ اس کی سیاہی، علاوہ اس کی سفیدی کے ہے (یعنی انسان میں اس قدر چیزیں پائی جاتی ہیں پھر وہ کیونکر واحد المعنی ہوسکتا ہے) اسی طرح اور تمام مخلوقات ہیں۔ انسان صرف نام میں ہی واحد ہوسکتا ہے معنی اور ساخت میں واحد نہیں ہے۔

پس ہم خدائے تعالیٰ کو جو "**واحد**" کہتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ ایسا واحد (یکتا) ہے جس کے سوائے کوئی واحد نہیں کیونکہ اس میں مختلف چیزیں نہیں پائی جاتیں (جس طرح انسان میں پائی جاتی ہیں کہ اس میں گوشت بھی ہے، پوست بھی ہے، استخوان بھی ہے خون بھی ہے سودا بھی ہے، صفرا بھی ہے بلغم بھی)۔

اللہ عین علم ہے

اور (اسی طرح) وہ مبارک و بلند مرتبہ پروردگارِ عالم "**سمیع**" ہے "**بصیر**" ہے "**قوی**" ہے "**عزیز**" ہے "**حکیم**" ہے "**علیم**" ہے۔ **فتعالی اللہ احسن الخالقین**۔

یعنی اس میں ان صفتوں کے مادے علیحدہ علیحدہ موجود نہیں ہیں۔ بلکہ خود اس کی ذات مقدسہ ایسی ہے جو عینِ علم، عینِ بصارت، عین سماعت، عین قوت ہے۔ لہٰذا اس کو **علیم و سمیع** کہا گیا ہے۔

اس نے کہا: اب آپ مجھے اس کے اسماء **رؤف و رحیم** اور اس کی محبت، غضب اور ناراضی کو بتائیے کہ اسے کن معنوں میں **رؤف و رحیم و راضی و محب** وغیرہ کہتے ہیں۔

میں نے کہا: ہم لوگوں میں جو رحمت (رحم) پیدا ہوتا ہے وہ بمعنی شفقت و بخشش ہے،
اور اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو (اعمال خیر یا اپنی مصلحت کے مطابق) ثواب
دیتا ہے۔ (یا سزا دینے کے بجائے مہلت دیتا ہے)

بندوں کی رحمت کے معنی

بندوں کی رحمت کے دو معنی ہیں۔ ایک وہ جو دل میں رافت و رقت پیدا کرتی ہے۔
ہم جب کسی قابل رحم شخص کو تکلیف و احتیاج یا اور کسی قسم کی بلا میں مبتلا دیکھتے ہیں تو ہمارے دل
میں رحم و رقت پیدا ہوتی ہے۔

دوسرے وہ (کیفیت) جو قابل رحم شخص پر رافت و لطف کرنے اور اس کی نازل شدہ
بلا پر رحم کھانے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

یعنی رحم کی ایک کیفیت تو وہ ہے جو دل میں کسی قابل رحم شخص کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔
دوسرے وہ اثر جو اس کیفیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً اس کی تکلیف کو دور کر دینا، مظلوم کی مدد کرنا،
بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنا دینا وغیرہ۔ پس پہلا رحم تو دلی جذبہ اور کشش ہے اور دوسرا رحم
اس کا اثر ہے۔

کبھی کوئی کہتا ہے، دیکھو فلاں شخص کے رحم کو (یعنی دیکھو اس نے فلاں شخص پر رحم کیا)
اس کا مطلب اس رحم سے وہی فعل ہوتا ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہونے والے لطف و
مہربانی کے جذبے کی وجہ سے پیدا ہوا ہوتا ہے۔

اللہ کی طرف نسبت

اور اللہ تعالیٰ کی طرف جو اس صفت کو نسبت دیتے ہیں (اور کہتے ہیں، خدا نے رحم کیا یا اللہ

تعالیٰ رحیم ہے) تو وہ انہی کاموں کی وجہ سے ہوتا ہے جو ہم سے حادث ہوتا ہے۔ (یعنی ہمارے ردِعمل سے ظاہر ہوتا ہے مثلاً کسی نے کسی مظلوم کی مدد کردی یا کسی کو دشمن یا خطرے سے بچالیا، تو کہتے ہیں دیکھو خدا نے اس شخص پر کیسا رحم کیا کہ (غیب سے) ایک آدمی اس کی مدد کے لئے بھیج دیا۔

(حادث: کا مطلب ہے کوئی چیز نہیں تھی اور پھر ہوگئی۔ مثلاً یہ دنیا نہیں تھی اور پھر حادث ہوگئی)

لیکن رحمت ان معنیٰ سے جو دل میں ہے، تو وہ خدائے تعالیٰ میں نہیں پائی جاتی (کیونکہ اس کے پاس دل نہیں ہے اور نہ وہ اعضاء و جوارح والا ہے) جیسا کہ اس نے اپنے بارے میں آپ بیان فرمایا ہے۔ وہ رحیم تو ہے مگر اس رحمت اس طرح نہیں جو رقت قلب کے معنی میں ہے۔

غیض وغضب کی حالت

غیض وغضب ہم لوگوں میں پیدا ہوتا ہے تو ہماری طبیعتوں میں ایک تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی اس حالت میں ہمارے جوڑ و بند کانپنے لگتے ہیں، رنگ بدل جاتا ہے۔ (چہرہ سرخ ہو جاتا ہے) پھر اس کے بعد ہم کسی کو سزا دیتے ہیں (جس پر ہمیں غصہ آیا تھا) اسے وجہ سے اس کو کیفیت "غضب" کہتے ہیں۔ یہ تو عام لوگوں میں معروف ومشہور ہے۔

لیکن (دراصل) غضب (غصہ) دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو وہ کیفیت ہے جو دل میں پیدا نہیں ہوتی اور ایک یہ کیفیت ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ کیفیت جس کا تعلق دل سے ہے اور جس کے سبب ہمیں غصہ آتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ جل جلالہُ میں نہیں پائی جاتی۔

اسی طرح اس کی رضا و ناراضی و رحمت بھی ہے۔ وہی جلیل ہے اور وہی عزیز۔ نہ اس کی کوئی مثل ہے نہ کوئی نظیر۔

اس نے کہا: آپ مجھے اس کے ارادے کے بارے میں بتایئے کہ اللہ تعالیٰ کو مُرِیْد

کن معنوں میں کہتے ہیں۔

اللہ کا ارادہ ہی اس کا فعل ہے

میں نے کہا: بندوں کا ارادہ تو اس ضمیر کے معنی میں ہے (جو دل میں آتا ہے اور جس کے بعد کوئی کام ہوتا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ، اس کا کسی کام کو کردینے کے معنی میں ہے، کہ جب کسی چیز کو کہتا ہے ہوجا، تو وہ ہوجاتی ہے، نہ اسے کوئی مشکل ومشقت ہوتی ہے اور نہ کوئی کیفیت اس پر مرتب ہوتی ہے۔

انسان کو ارادہ کرنے کے بعد کسی کام کے کرنے میں ایک کیفیت جسمانی وروحانی سے گزرتا ہے اور اسے تھکن وغیرہ محسوس ہوتی ہے۔ یہ بات خدائے تعالیٰ میں نہیں ہوتی اس لیے کہ اسے کوئی کام ہاتھ یا پاؤں سے نہیں کرنا پڑتا اس کا سبب یہ ہے کہ انسانوں کی طرح اس کے ہاتھ پاؤں نہیں ہیں اس کا ارادہ تو صرف یہ ہے کہ اس نے کسی چیز کو کہہ دیا کُن (ہوجا) بس وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ یہی اس کا ارادہ ہے اور یہی اس کا فعل۔

اس نے کہا: آپ نے خوب بیان فرمادیا، اور اپنے مطلب کو پہنچ گئے (کہ مجھ جیسے گمراہ کو راہِ راست پر لے آئے)۔ ایک عقلمند کے لئے اس قدر کافی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے گمراہی سے ہدایت کی طرف پلٹایا اور اس سے بچالیا کہ میں اسے اس کی کسی مخلوق سے تشبیہ دوں یا اس کی عظمت وقدرت اور صنعت وجبروت میں کوئی تشبیہ پیدا کروں (بیشک وہ) بے مثل وبے نظیر ہے۔ اس سے بلند تر ہے کہ کوئی اس کا شریک یا اس کی مانند ہو۔

جل عن الاشباہ والاضداد و تکبر عن الشرکاء

والانداد الحمدللہ اولاً و اٰخراً و ظاہراً و باطناً

وھو علیٰ کل شیء قدیر

والحمدللہ رب العالمین

آج بہ روز ۲۳ر رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ

شام ۷ بجے قبل از افطار ۲ر اگست ۲۰۱۳

حدیث ھلیلہ کی تشریحات اور تحریرِ مکرّر کا کام مکمل ہوا۔

محمد علی سیّد